سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (پاکستان)

نمبر ۲۵۰

دیوان فغاں

مع مقدمہ

مرتبہ

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب (علیگ)

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی

سنہ ۱۹۵۰ء قیمت ۸ ؍

فہرست مضامین دیوان فغاں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	۵
۲	نام و نسب	″
۳	تلمذ	۶
۴	فغاں کے حالاتِ زندگی	۹
۵	فغاں کا مذہب	۱۹
۶	اندازِ طبیعت	″
۷	فغاں کی ہجویں	۲۲
۸	الفاظ کی بندش	۳۴
۹	فغاں کے قطعات	۳۶
۱۰	رباعیات	۳۸
۱۱	فغاں اور ان کے معاصرین	″
۱۲	تلامذۂ فغاں	۴۴
۱۳	موجودہ دور میں فغاں کی تحسین	۴۸
۱۴	فغاں کی گم نامی کا سبب	″
۱۵	شکریہ	۶۵
۱۶	قصائد	۶۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷	قصیدہ در منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام	۶۶
۱۸	قصیدہ دیگر " " " "	۶۸
۱۹	قصیدہ در مدح حضرت امام علی موسیٰ رضاؑ	۶۹
۲۰	اردو دیوان	
۲۱	غزلیات	۷۱
۲۲	مخمس	۱۵۹
۲۳	ہجو حاجی	۱۶۱
۲۴	ہجو دانیال	۱۶۳
۲۵	ہجو آخوند صاحب	۱۶۶
۲۶	ہجو لاغر	۱۶۷
۲۷	ہجو معصوم	۱۶۸
۲۸	ہجو شاہ عبدالرحمان الہ آبادی	۱۷۰
۲۹	ہجو برادر	۱۷۳
۳۰	سرگزشت لشکر راجا رام نرائن بہادر	۱۷۴
۳۱	ہجو بسنت خاں	۱۷۵
۳۲	قطعہ در ہجو کاتب	۱۷۸
۳۳	فارسی کلام	۱۷۹
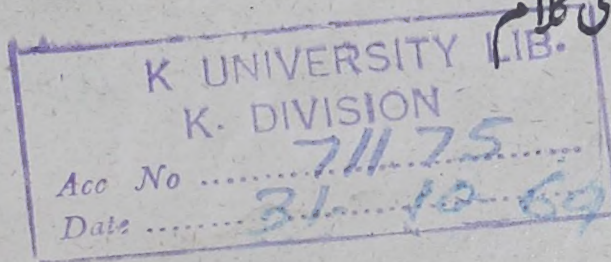
مقدمہ

اشرف علی فغاں

نام ونسب

مرزا اشرف علی خاں نام اور فغاں تخلص تھا شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے سنہ ولادت معلوم نہ ہو سکا، مگر احمد شاہ کے رضاعی بھائی تھے، اس لئے اس کے سنہ ولادت سے ان کی پیدائش کی تاریخ بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ احمد شاہ کا سنہ پیدائش ۱۱۴۱ھ ہے، رضاعی بھائی ہونے کی حیثیت سے اشرف علی خاں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال بڑے ہوں گے، اس لئے ۱۱۳۹ سنہ سے ۱۱۴۱ سنہ تک کے کسی سال میں ان کی پیدائش ہوئی ہوگی۔

والد کا نام مرزا علی خاں نکتہ[1] تھا، نکتہ شاید تخلص ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اشرف علی خاں کے پدر بزرگ وار بھی شاعر تھے۔ ان کا خاندان دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے ممتاز تھا اور تیموری دربار سے گہرا تعلق رکھتا تھا، ماں نے احمد شاہ کو دودھ پلایا اس لئے کوکہ، کوکہ خاں[2]، کوکلتاش[3] یا کوکلتاش خاں[4] بہادر کہلائے چچا ایرج خاں مرشد آباد میں شاہی ملازم[5] شاید وہاں کے حاکم تھے[6]۔

۱؎ گلشن ہند مولفہ مرزا علی لطف مرتبہ مولانا شبلی و مولوی عبدالحق ص ۲۱۳ ۲؎ مخزن نکات مصنفہ شیخ محمد قیام الدین قائم ص ۴۲ انجمن ترقی اردو ۳؎ مجموعہ نغز مصنفہ میر قدرت اللہ قاسم مرتبہ پروفیسر محمود شیرانی جلد دوم ص ۴۳ ۴؎ گلشن بے خار از مصطفےٰ خاں شیفتہ ص ۲۲۰ ۵؎ گلشن ہند ص ۱۳۰ ۶؎ آب حیات ص ۱۱۴

تلمذ فغاں کے تعلیمی حالات کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں، محمد حسین آزاد نے صرف اتنا لکھا ہی کہ "ابتدائے عمر میں شعر گوئی کا شوق ہوا طبیعت ایسی مناسب واقع ہوئی تھی کہ جب ہی سے اس کام میں نام پیدا کیا"[1] شاعری میں شاید کئی استادوں سے مستفید ہوئے ان کے دوست اور معاصر میر تقی میر نے لکھا ہی کہ وہ قزلباش خاں امید کے شاگرد تھے[2]۔ مصحفی[3] اور لطف[4] نے ان کو ندیم کا شاگرد بتایا ہی، نساخ نے بھی ان کو علی قلی خاں ندیم کا شاگرد بتایا ہی، اور لکھا ہی کہ "بعضے صاحب تذکرہ نے جوان کو قزلباش خاں امید کا شاگرد لکھا ہی غلطی کی ہی"[5]

فغاں نے ندیم سے اپنے رشتۂ شاگردی کا اظہار جابجا کیا ہی۔

کیا فغاں سے پوچھتے ہو کون تھا حضرت ندیم
پیر تھا، مرشد تھا، ہادی تھا، مرا استاد تھا

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہی فغاں
دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہووے گا

دشتِ جنوں میں کیوں نہ پھروں میں برہنہ پا
اب تو فغاں ندیم مرا رہنماں ہوا

کہتا کوئی فغاں کی طرف سے ندیم کو
اب دل تو جا چکا بھلا استاد کیا کروں[6]

---

[1] آب حیات از محمد حسین آزاد ص ۱۱۳ [2] نکات الشعراء مولفہ میر تقی میر مرتبہ مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی ص ۲۲۰

[3] تذکرہ ہندی مؤلفہ غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب ص ۱۶۰ [4] گلشن ہند ص ۱۳۰

[5] سخن شعراء مولفہ عبدالغفور خاں نساخ نول کشور پریس ص ۳۶۹ [6] ندیم:- نام مراد علی قلی خاں تھا وطن شاہجہاں آباد تھا دہلی کی تباہی کے بعد مرشد آباد آئے اور نواب میر جعفر خاں کی ملازمت میں داخل ہوئے اسی کے عہد میں ان کا انتقال ہوا پہلے مرثیہ و سلام کہا کرتے تھے لیکن پھر ریختہ کہنے لگے۔ میر حسن نے ان کے بارے میں لکھا ہی کہ:-

"مردے بود بہ کمال قابلیت شعر فارسی و مرثیہ و ریختہ بخوبی می گفت" ان کے مختصر حالات تذکرہ ہندی مجموعۂ نغز، گلزار ابراہیم اور تذکرۂ میر حسن میں ملیں گے۔

مگر ایک قطعہ میں فغاں نے امید کا بھی نام لیا ہے،

شاہد حال ہے یہ مصرع امید فغاں ... کا ہے کو بولتے ہیں مردم آگاہ غلط

دل عشق میں ناحق مجھے اخراج کیا ... بعد آیا تو عبث فائدہ باللہ غلط

اب مجھے دیوے اذیت تو سزا ہی میری ... کردہ ایں مرتبہ ہم بندۂ درگاہ غلط

اس قطعہ سے امید اور فغاں کے ذہنی تعلقات کی غمازی ہوتی ہے۔

مولانا عبدالحی نے گلِ رعنا میں لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ پہلے امید سے اصلاح لیتے ہوں، پھر ندیم کے شاگرد ہوئے ہوں یا فارسی میں ان کے شاگرد ہوں[۱]" ممکن نہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ فغاں نے فارسی میں امید سے اصلاح لی۔

لچھمی نرائن شفیق کے تذکرۂ چمنستانِ شعرا میں ہے

در شعر فارسی اصلاح سخن از قزلباش خاں امید می گرفت[۲]۔

---

۱ گلِ رعنا ص[۱] دار المصنفین اعظم گڑھ ۲ چمنستان شعرا ص[۳] قزلباش خاں امید اصلی نام مرزا محمد رضا تھا، ہمدان کے رہنے والے تھے، جوانی میں ترک وطن کر کے اصفہان آئے اور مرزا طاہر وحید کے شاگرد ہوئے، اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور شاہی ملازمت میں داخل ہو کر بہادر شاہ کے وقت میں قزلباش خاں خطاب اور ہزاری منصب پایا، چناں چہ خود کہتے ہیں

مثل بلبل ہمیشہ نالانم ... ایں بود منصب ہزاری ما

معزالدین کے وقت میں کسی خدمت کی تقریب سے برہان پور گئے اور جب امیر الامرا سید حسین دکن کا صوبہ دار ہوا تو یہ اس کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو کر کرناٹک کے داروغہ ہوئے یہاں بھی زمانہ نے ساتھ نہ دیا تو حیدرآباد کے ناظم مبارز خاں کی سرکار میں آکر ملازمت کی جب نظام الملک آصف جاہ نے مبارز خاں پر فتح پائی تو یہ بھی قید ہوئے انھوں نے آصف جاہ کی خدمت میں ایک غزل پیش کی جو آصف جاہ کو ایسی پسند آئی کہ امید کو نہ صرف قید سے آزاد کیا بلکہ کرناٹک کے علاقہ منی مرک کی قلعہ داری مرحمت کی کچھ دنوں کے بعد حج کو نے گئے وہاں سے واپس ہوئے تو آصف جاہ کے مقرب خاص بن کر ۱۱۵۰ھ میں دہلی آئے۔ آصف جاہ جب مرہٹوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھوپال گئے تو امید بھی ہم رکاب تھے نادر شاہ کے حملہ کے زمانہ میں آصف جاہ کو دہلی بلایا گیا تو یہ بھی ساتھ آئے پھر دہلی کی محبت میں ایسے مغلوب ہوئے کہ بقیہ عمر یہیں گذاری اور ۱۱۵۹ھ میں انتقال کیا آٹھ ہزار فارسی اشعار کا ایک دیوان چھوڑا کبھی کبھی ریختہ بھی کہتے تھے فن موسیقی کے بھی ماہر تھے (مآثر الکرام دفتر ثانی میر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۱۰ گلزار ابراہیم انجمن ترقی اردو ص ۱۸، ۱۹، ۲۰)

فغاں نے اپنے قطعات میں بیتاب اور حشمت کے بھی نام لیے ہیں،

سن کے اس مطلع بیتاب کو کہتا ہی فغاں — کھینچیے تیغ مری جاں کہ تیار ہوں میں

قتل گر کیجیے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں — ہاں میاں تشنۂ آب دم تلوار ہوں میں[1]

غل اٹھا مصرعۂ حشمت کا فغاں زنداں میں — پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ[2]

---

[1] بے تاب. نام محمد اسماعیل۔ مصطفےٰ خاں یک رنگ کے شاگرد تھے۔ گردیزی نے لکھا ہی کہ

"نکتہ سنج معنی یاب محمد اسماعیل بے تاب پایۂ سخنش بلند و حرفش دل پسند است"

لچھمی نرائن شفیق لکھتے ہیں کہ

"سحاب گوہر پاش سخن و دریائے مواج ایں فن است خود را از تلامذۂ مصطفےٰ خاں یکرنگ می پندارد و کلامشہائے فراواں بہ الفاظ تازہ و مضامین نومی دارد" ص ۹۱

گھوڑے سے گر کر ایسے زخمی ہوئے کہ پھر جاں بر نہ ہو سکے۔

[2] حشمت کا پورا شعر یہ ہے:۔

نگہت گل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ — پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

حشمت تخلص اور نام محتشم علی خاں تھا باپ کا نام میر باقی اور بڑے بھائی کا میر ولایت اللہ خاں تھا' ان کا خاندان بدخشاں سے ہندوستان آیا نسباً سید تھے لیکن پیشہ سپہ گری تھا دہلی میں مغل پورہ میں رہتے تھے اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر تھے، محمد شاہ کے عہد میں انتقال ہوا۔ گردیزی میں ہی:۔

"سخنش دل پسند است و فکرش بلند بکمال خوش خلقی و فراخ حوصلگی زیست می کرد.... دیوانش بسر کردہ و چشمۂ آب زادہ حقا کہ دراں تلاش معنی تازہ کردہ و الفاظ رنگیں بروئے کار آوردہ احیاناً ریختہ می گفت"

میر تقی میر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "شاعر خوب فارسی و ریختہ فہمیدہ سنجیدہ باہم بہ عجز و انکسار پیش می آید چنیں بود کہ در دل ہمہ کس جائے او خالی است بر فقیر شفقت و عنایت بسیار می کند"

گلشن ہند میں ہی "از مشاہیر شعرائے دہلی است شعر فارسی را نیکو می گفت و ترکیب ہندی ریختہ از وے بسیار شہرت دارد و اظہار و اسوختگی دل نشین مردم افتادہ است .... ارتحالش در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ است"

معلوم نہیں فغاں نے ان دونوں کے نام محض تحسین کے جذبے میں لیے ہیں یا کسی فیض کے امتنان و تشکر میں ؟

فغاں کے حالاتِ زندگی

فغاں بچپن سے جوانی کے عالم تک احمد شاہ کے ساتھ رہے، احمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کے ندیمِ خاص ہوئے، احمد شاہ ان کی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کا بے حد قدرداں تھا، اس لیے ظریف الملک کوکہ خاں بہادر کا خطاب عطا کیا[1]۔ اشرف علی کی حیثیت محض لطیفہ گو کی نہ تھی بلکہ وہ ایک معزز درباری امیر تھے۔ شیخ محمد قیام الدین قائم مخزن نکات (نوشتہ ۱۱۶۸ھ) میں لکھتے ہیں:-

"درزمان سلطنت مرزا احمد بمنصب پنج ہزاری مفتخر و مباہی گشت[2]"

تذکرہ ریختہ گویاں مؤلفہ سید فتح علی حسینی گردیزی (نوشتہ ۱۱۶۶ھ) میں ہے:-

"اشرف علی خاں فغاں تخلص از عمدۂ منصب ورانِ عہد سعادت عہد است[3]"

اس کی تصدیق میر تقی میر کے بیان سے بھی ہوتی ہے:-

فغاں تخلص کوکۂ بادشاہ احمد شاہ داخل ذیل نیمچۂ امرایان ست[4]

لچھمی نرائن شفیق نے چمنستان شعرا میں لکھا ہے:-

ازامرایانِ درگاہ احمد شاہ بادشاہ بود[5]

---

[1] گلشن ہند ص ۱۲۰ [2] مخزن نکات ص ۲۴۸ [3] تذکرۂ ریختہ گویاں مولوی فتح علی حسینی گردیزی و مرتبہ مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو ص ۱۲۱ [4] نکات الشعرا، مولفۂ میر تقی میر مرتبۂ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی ص ۸۰ [5] چمنستان شعرا، انجمن ترقی اردو ص ۲۸۰

پھر قدرت اللہ قاسم نے بھی انھیں "بسیار عمدہ معاش"[1] اور شیفتہ نے "از اہل ثروت بودہ"[2] لکھا ہے۔

کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ کے دیوانِ فغاں کے قلمی نسخہ کے آخر میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے، اس میں فغاں کے القاب و خطاب کی تفصیل اس طرح درج ہے:-

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں مخاطب بہ خطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان۔"

مصاحب الدولہ اور یکہ تاز جنگ کے خطابات شاید تیموری دربار ہی سے ملے ہوں گے، اس لئے فغاں نے فخر کے ساتھ اپنے دیوان کے آخر میں ان کو تحریر کیا ہے کیونکہ یہ دیوان جیسا کہ آگے معلوم ہوگا، فغاں کی زندگی میں ان ہی کے لئے لکھا گیا تھا مگر اشرف علی فغاں کو امارت و ثروت کی بہار زیادہ دنوں تک دیکھنا نصیب نہ ہوا ان کی زندگی کا زمانہ وہ تھا جب شاہ جہاں آباد پر مصیبت و الم کی گھٹائیں چھائی تھیں محمد شاہ کے عہد کی طوائف الملوکی اور خانہ جنگی، مرہٹوں کی سرکشی اور شورہ پشتی اور نادر شاہ کی غارت گری اور خوں ریزی سے تیموری حکومت کی بنیادیں کھوکھلی پڑ گئی تھیں اکبر اور عالمگیر کی پُر جلال اور پر شوکت سلطنت کا زوال اپنے عروج پر تھا، محمد شاہ کے بعد احمد شاہ تخت پر ضرور بیٹھا لیکن وہ محض اپنے اجداد کی سلطنت کی پامالی اور بیخ کنی کے مناظر دیکھنے کو بیٹھا تھا، سلطنت میں ایک لوٹ مچی ہوئی تھی، نادر شاہ کے بعد احمد شاہ درانی کی نظریں ہندوستان جنت نشان پر لگی ہوئی تھیں، وہ تیموری

---

[1] مجموعۂ نغز ص ۲، [2] گلشن بے خار ص ۲۲۰ مطبوعہ اردو اخبار پریس دہلی

سلطنت کے چراغ کو اپنی طوفانی موجوں کے تند جھونکوں سے بجھا دینا چاہتا تھا مگر قدرت نے یہ انجام اس کے ہاتھوں سے نہ لکھا تھا' وہ آیا اور چلا گیا۔ تیموریوں میں درانیوں کے حملوں کو روکنے کی تاب نہ تھی اس لئے ملتان اور لاہور کے دو صوبے دے کر احمد شاہ نے تھوڑے دنوں کے لئے اپنے کو بچا لیا لیکن تنہا درانیوں کے حملہ ہی کی مصیبت نہ تھی درانی جانے بھی نہ پائے تھے کہ روہیلوں اور مرہٹوں کی معاندانہ کارروائیوں سے سلطنت کا شیرازہ اور بکھر گیا' خود دربار میں امراء و اعیان سلطنت میں اتفاق نہ تھا' ان کی ریشہ دوانیوں سے رہی سہی قوت بالکل جاتی رہی' بادشاہ بے جان اور عمائد حکومت کے ہاتھوں مجبور تھا' آخر کار ۱۱۶۷ھ میں احمد شاہ تخت سے اتار کر قید خانہ میں بٹھا دیا گیا' اور دوسرا بے بس اور لاچار بادشاہ عالمگیر ثانی کے لقب سے زینت تخت و تاج بنایا گیا۔

ان ہنگاموں میں احمد شاہ کے درباری امیر' ندیم خاص اور رضاعی بھائی اشرف علی خاں فغاں کو بھلا کہاں چین نصیب ہو سکتا تھا دربار قتل و خون کا مرکز اور شاہ جہاں آباد کی گلیاں ماتم کدہ بنی ہوئی تھیں' دولت اور عزت دونوں کی غارتگری ہو رہی تھی' فغاں دلی کی بربادی نہ دیکھ سکے اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ احمد شاہ کی معزولی کے فوراً ہی بعد یا کچھ دنوں رہ کے فغاں نے دہلی چھوڑی لیکن قیاس کہتا ہے کہ احمد شاہ کی معزولی اور قید کے بعد دہلی چھوڑ دی۔ فغاں کے معاصر مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

"در ایامے کہ بہ سبب تفرقۂ شاہ از شاہ جہاں آباد برآمد و بہ طرف پورب گذر افگند[1]"

---

[1] تذکرہ ہندی مولوی غلام ہمدانی مصحفی انجمن ترقی اردو ص ۱۶۰

"تفرقۂ شاہ" سے احمد شاہ کی قید ہی مراد ہو گی لیکن مجموعۂ نغز (نوشتہ ۱۲۲۱ھ) میں ہی کہ

"بنابر افراط و تفریطے کہ در ہنگامہ آرائی افاغنۂ ابدالی بحضرت دہلی رُوداد' بدیار شرقیہ رحلِ اقامت انداخت[۱]"

شاید اسی استناد پر محمد حسین آزاد نے لکھا ہی کہ "جب احمد شاہ درانی کے حملوں نے ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا اور دلی کے دربار میں طور بے طور دیکھا تو فغاں دہلی چھوڑ کر باہر چلے گئے"۔ یہی بات گلِ رعنا میں بھی کہی گئی ہی لیکن جب ہم احمد شاہ درانی کے حملوں کی تاریخوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں تو ان بیانات میں کچھ الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہی' احمد شاہ درانی کا پہلا حملہ محمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء میں ہوا' دوسرا احمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۶۱ھ (مطابق ۱۷۴۸ء) میں ہوا' اس حملہ میں لاہور کے قریب مغل اور درانی متصادم ہوئے لیکن احمد شاہ نے ملتان اور لاہور کے دو صوبے دے کر یہ بلا دور کی۔ احمد شاہ کے زمانہ میں درانیوں کا پھر کوئی حملہ نہ ہوا' وہ ۱۱۷۲ھ (مطابق ۱۷۵۹ء) میں ہندوستان پھر آئے اور مرہٹوں کی قوت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ ان کی بڑھتی ہوئی قوت پھر نہ سنبھل سکی' اب اگر یہ مان لیا جائے کہ فغاں نے درانیوں کے حملہ کی طوائف الملوکی میں دہلی چھوڑی' تو انھوں نے یا تو ۱۱۶۱ھ یا ۱۱۷۲ھ کے بعد دہلی چھوڑی ہو گی' اگر ۱۱۶۱ھ کے بعد وطن ترک کیا تو گویا احمد شاہ کی زندگی ہی میں اس کو خیر باد کہا جو قیاس میں نہیں آتا' اور اگر ۱۱۷۲ھ کے بعد نکلے تو احمد شاہ کی معزولی کے پانچ برس بعد تک وہیں قیام پذیر رہی جس کو یقین کرنا ذرا مشکل ہی' چناں چہ

---

[۱] مجموعۂ نغز حصۂ دوم ص ۷۲

مصحفی کا یہ بیان کہ فغاں نے احمد شاہ کی قید کے بعد دہلی چھوڑی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اتفاق سے فغاں نے اپنے دیوان میں ایک جگہ خود اسی کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ دہلی چھوڑنے کے بعد وہ اپنا دردناک حال لکھتے ہیں :-

لکھے شرحِ غم گر دلِ دردناک — تو اپنی زباں کلک کرتی ہے چاک
مرے شعلۂ آہ پر کر نگاہ — بہاتی ہے چشموں سے اشکِ سیاہ
نپٹ سخت ہے ماجرا درد کا — دلِ سرد کا اور رُخِ زرد کا
بیاں سے بجا ہے کہ خاموش ہوں — کسی سے نہ یہ راز اپنا کہوں
ولیکن چھپانا اسے بے حجاب — کہ یہ راز روشن ہے جوں آفتاب
سنو اے عزیزاں حکایت کے تئیں — گرفتار غم کی روایت کے تئیں

اور یہ حکایت فغاں کے محبوب آقا اور رضاعی بھائی احمد شاہ کی ہے، جس سے ان کی محبت عشق کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔

جہاں میں مرا ایک دلدار تھا — اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھ کو گلزار سے — نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے
نہ سمجھوں تھا بلبل کی فریاد کو — نہ جانوں تھا میں جورِ صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھ کو فرہاد بھی — سنا تھا نہ میں قیس ناشاد بھی
اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا میں — تو کاہے کو خاطر میں لاتا تھا میں
مجھے دردمندوں سے کیا کام تھا — سدا وصل کے بیچ آرام تھا
جب اس یار پر دھیان کرتا تھا میں — تو یوسف کو قربان کرتا تھا میں
اسی کو میں کہتا تھا ہے ماہتاب — وہی تھا مرا پنجۂ آفتاب
میں پوجوں تھا نت اس صنم کے تئیں — نہ سجدہ کروں تھا حرم کے تئیں
وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا — غرض کچھ ہی تھا میرا اللہ تھا

شاہ مذکور سے فغاں کے اختلاط و محبت کی شدت ملاحظہ ہو :-

سدا سیر تھی مجھ کو گلزار کی — کہیں خوش طبع ہو مرے یار کی
اگر اتفاقاً وہ نازک مزاج — چلے تھا وہاں سے تو میں لاعلاج
یہ کہتا تھا اور و ستم گار کو — نہ چھوڑا اس مزے ہیں تو گلزار کو
ارے دیکھ خوش چشم نرگس کا حال — کہ حیرت سے رہ گئی ہے آنکھیں نکال
ارے اے مری جان اس وقت میں — ارے تیرے قربان اس وقت میں
ترا ہنس کے کہنا ہیں گھر جاؤں گا — مرا رو کے کہنا میں مر جاؤں گا
یہی مجھ میں اس میں تھا راز و نیاز — کوئی اس ہیں محمود کوئی ایاز

مگر یہ ساری نشاط انگیزیاں اس وقت کافور ہو گئیں جب کہ

فلک نے بیکایک ستم یہ کیا — دلِ شاد کو داغ حرماں دیا

شاید اس سے احمد شاہ کی معزولی ہی مراد ہے، اس کے بعد فغاں کا کیا حال ہوا، وہ خود ہی لکھتے ہیں :-

نہ پہنچا کوئی واں مری داد کو — چلا تب تو میں مرشد آباد کو

آخری شعر سے صاف ظاہر ہے کہ دہلی سے نکلنے کے بعد فغاں مرشد آباد گیے مگر مصحفی رقم طراز ہیں :-

"در ایامے کہ بہ سبب تفرقۂ شاہ از شاہ جہاں آباد برآمد، بہ طرف پورب گذرانیدہ و بمعرفت میر محمد نعیم خاں کہ ہم مکتب ایشاں بود، بہ ملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسیدہ یکے از مقرباں گردانیدہ"[1]

---

[1] تذکرہ ہندی ص ۱۶۲

فغاں کے مذکورۂ بالا شعر کے بعد کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ دہلی سے نکلے تو سیدھے نواب شجاع الدولہ کے یہاں پہنچے۔ نواب موصوف ۱۱۶۷ھ میں یعنی احمد شاہ کی معزولی کے سال اپنے باپ صفدر جنگ کے جانشین ہوئے۔ ظاہر ہے کہ فغاں کی حمیت نے یہ گوارا نہ کیا ہوگا کہ اپنے شفیق اور جاں نثار رضاعی بھائی کے قید خانہ جاتے ہی وہ ایک دوسرے فرماں روا کی آستاں بوسی کے لئے پہنچ جاتے۔ اس بے بسی کے عالم میں دہلی کو چھوڑا ہوگا تو بزرگوں کے پاس مرشد آباد چلے گئے ہوں گے، اس زمانہ میں دہلی اور اودھ کے بعد شاعری کی بزم عظیم آباد اور مرشد آباد ہی میں جمتی تھی، مگر مرشد آباد میں زمانہ نے فغاں کا ساتھ نہ دیا، وہ وہاں سے واپس ہوئے، تذکرۂ گلشنِ ہند میں ہے کہ وہ پھر شاہ جہاں آباد آگئے۔ اس کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:-

دلّی سے مرشد آباد میں اپنے چچا کے پاس کہ محمد ایرج خاں کر کے مشہور تھے وارد ہوئے لیکن نہ رہا اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر شاہ جہاں آباد چلے گئے۔ بعد کئی برس کے عظیم آباد میں آئے اور بطور بود و باش کے وہاں ٹھہرے۔[1]"

اس واپسی کے بعد معلوم نہیں ان کا قیام دہلی میں کتنے دنوں رہا۔ صاحبِ گلشن ہند کے "کئی برس" کی مدت میں درانیوں کے آخری حملہ (۱۱۷۰ھ) کا سال شامل کر لیا جائے تو میر قدرت اللہ قاسم اور ان کے ہم نوا مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا عبدالحی کا یہ بیان کہ "درانیوں نے جب دہلی کو تہ و بالا کر دیا تو فغاں نے پریشان ہو کر دلّی کو خیرباد کہا" صحیح ہو سکتا ہے، مگر نواب علی حسن خاں نے اپنی "صبح گلشن" میں معلوم نہیں کس سند پر لکھا ہے کہ فغاں ۱۱۷۰ھ میں عظیم آباد پہنچ گئے

---

[1] گلشن ہند - ص ۱۳۰

تھے، ان کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو۔

ہمیں کہ از وطن برمید و در اودھ رسید، رفاقت نواب وزیر شجاع الدولہ بہادر گزید مگر آخر ساز مصاحبت کوک نہ گردید پس از آنجا در سنہ سبعین و مائتہ والف صوب عظیم آباد رسید[1]"

اگر ہم اس تاریخ کو صحیح جان لیں تو یہ قیاس غلط ہوگا کہ فغاں جب دوسری بار شاہ جہاں آباد واپس آئے تو پھر درانیوں کے آخری حملے ۱۱۷۲ھ کے بعد نکلے، اور اگر غلط سمجھ لیں تو پھر بہت ممکن ہے کہ انھوں نے دوسری بار درانیوں کے حملے کے بعد ہی دہلی چھوڑی،

بہر حال دوسری بار دہلی سے نکلنے کے بعد فغاں نواب شجاع الدولہ کے دربار پہنچے۔ صاحب گلشن ہند نے ان کے نواب موصوف کے یہاں پہنچنے کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے، شاید اختصار سے کام لیا ہے، نواب مصطفٰے علی خاں کے یہاں تو یہ اختصار اور بھی بڑھ جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"ازیں (یعنی شاہ جہاں آباد سے) نقل و حرکت بہ عظیم آباد سکونت اختیار کردہ[2]"

مخزن نکات میں شیخ قائم کا بیان اور بھی الجھا ہوا ہے

"دریں ایام در دارالامان ہندوستان گرد و سیمہ آفات و شاہراہ مبتاب است بپاس آبروئے خویش سفر بنگالہ گزید و ہماں جا رخت اقامت انداخت[3]"

مگر فغاں کا اودھ پہنچنا اور نواب شجاع الدولہ کی ملازمت سے منسلک ہونا یقینی ہے، نواب موصوف نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے یہاں رکھا اور

---

[1] صبح گلشن ص ۳۱۰ [2] گلشن بے خار ص ۲۲۰ [3] مخزن نکات ص ۴۲

نہایت بے تکلف ہو گئے، ایک روز اسی بے تکلفی میں انھوں نے گرم پیسے سے ان کا ہاتھ جلا دیا فغاں کو نواب کا یہ مذاق پسند نہ آیا اور ان کی صحبت سے کنارہ کش ہو گیے،

مصحفی لکھتے ہیں:

"در ہماں نزدے روزے نواب وزیر دستش را در عالم اختلاط بہ فلس سوختند آب در دیدہ گردانید و ہیچ نہ گفت و آخر بہ ہمیں حرکت آزردہ شدہ بہ طرف عظیم آباد رفت[1]"

مگر محمد حسین آزاد کا بیان ہے کہ "ایک دن اختلاط میں ان کا کپڑا نواب کے ہاتھ سے جل گیا رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گیے وہاں جا کر اس سے زیادہ عزت پائی[2]" کپڑے جلنے کی روایت کسی تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گذری مولانا عبدالحی نے بھی گل رعنا میں آزاد کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں کپڑے جلنے کی روایت کہاں سے لی ہے مصحفی نے ہاتھ جلنے کا ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے[3]"

فغاں فیض آباد سے چلے تو عظیم آباد پہنچے یہاں راجہ شتاب رائے کا دربار علمی قدردانی اور فیاضی کے لیے مشہور تھا شتاب رائے نے فغاں کو اپنے یہاں بلا کر اپنے دربار کی زینت بڑھائی، صبح گلشن میں ہے،

"راجہ شتاب رائے ناظم صوبۂ بہار باوصافش پے بردہ بمنادمت خودش کشید[4]"

شتاب رائے مغلیہ حکمرانوں کا نمک خوار تھا اس لیے جذبۂ وفاداری میں اپنے آقا کے رضاعی بھائی کی وہ پوری تعظیم و تکریم کی جس کے فغاں مستحق تھے

---

[1] تذکرہ ہندی ص ۱۷۰ [2] آب حیات ص ۱۱۴ [3] گل رعنا ص ۱۱۸ [4] صبح گلشن ص ۳۱۸

اس کے علاوہ وہ خود بہت ہی علم پرور اور ہنر دوست تھا فغاں کے کمال فراقی شیریں کلامی اور علم مجلسی کے سبب سے نہایت عزیز رکھنے لگا،

نواب علی حسن خاں صاحب اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہیں فغاں کو راجہ شتاب رائے کی وساطت سے شاہ عالم کی طرف سے ظریف الملک کا خطاب ملا،

راجہ شتاب رائے ...... از حضور شاہ عالم بادشاہ خطاب ظریف الملکی وچندے بہ بطریق التمغا یومیہ دہانید، ازاں زماں اشرف علی خاں عظیم آباد را بتوطن برگزید[۱]۔

نواب صاحب کو لکھتے وقت شاید غلط فہمی ہوئی، کیونکہ اوپر ہم مستند اور معاصر تذکرہ نویسوں کے بیان پڑھ چکے کہ یہ خطاب احمد شاہ نے دیا،

بعض تذکروں میں ہے کہ راجہ شتاب رائے کی قدردانی میں فغاں نے باقی عمر خوش حالی سے بسر کی، لیکن محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد فغاں کے تعلقات راجہ صاحب سے قائم نہ رہے، اس کی بنیاد یہ ہوئی کہ احمد شاہ درانی نے جو سلطنت پر حملے کیے ایک دن اس کی دست درازی اور بے اعتدالیوں کا ذکر ہو رہا تھا، خدا جانے طنز سے یا سادہ مزاجی سے راجہ صاحب نے کہا کہ نواب صاحب ملکہ زمانی کو احمد شاہ درانی کیوں کر لے گیا، افسوس یہ بات ناگوار ہوئی افسردہ ہو کر بولے کہ مہاراج جس طرح سیتا جی کو راون لے گیا تھا اسی طرح وہ لے گیا اس دن سے دربار میں جانا چھوڑ دیا[۲]۔

آزاد کو معلوم نہیں یہ روایت کہاں سے ملی اس کے بعد آزاد کا بیان ہے کہ فغاں نے حکام فرنگ سے رسائی پیدا کی اور ان کے فیض سے باقی عمر فارغ البالی

---

[۱] صبح گلشن ص ۳۱۰ [۲] آب حیات ص ۱۱۵

اور خوش حالی میں گذاری، اس کی تائید مجموعۂ نغز کی مندرجۂ ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

"در حسن سلیقہ کہ داشت بسراں فرنگ در ساخت و در ہماں نواح رشتۂ زندگانی وے در گست و بجوار رحمت حق در پیوست[1]"

گلشن ہند اور سخن شعراء میں فغاں کا سنہ وفات ۱۱۸۶ھ لکھا ہے مگر گلشن بیخار میں ۱۱۹۶ھ درج ہے، لیکن یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ آب حیات اور گل رعنا میں ۱۱۸۶ھ ہی ہے عظیم آباد میں مدفون ہیں، مدفن کی جگہ معلوم نہ ہو سکی،

فغاں کا مذہب

فغاں مذہباً شیعہ تھے، دیوان کا آغاز حضرت علیؑ کی مدح سے کیا ہے، اس کے بعد حضرت امام علی موسیٰ رضا کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے، اس میں بھی حضرت علی سے اپنی محبت کا اظہار جا بجا کیا ہے، مثلاً

پہنچائیو تو خاک فغاں کی وہاں صبا — مشہد ہے جس طرف کو مرے بوتراب کا

مہر علی ہے دل میں نہ کر خوف روز حشر — تو لے چلا ہے ساتھ فغاں زادِ راہ کا

مگر فغاں ہر ملت کے لوگوں سے یکساں تعلقات رکھتے تھے، میر اپنی خودداری کے باوجود جو نخوت و غرور کی حد تک پہنچی ہوئی تھی ان کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے وہ لکھتے ہیں "بندہ بخدمت او بسیار مربوطم[2]"

میر کا فغاں سے گہرا ربط رکھنا ان کے اخلاق و ملنساری کی واضح دلیل ہے، علی ابراہیم نے بھی اپنے تذکرہ میں لکھا ہے، "با راقم آثم ربطے داشت[3]"۔

میر حسن بھی لکھتے ہیں، کہ "خوش اختلاط بود با ہر کس خوش طبعی داشت[4]"

انداز طبیعت

ان کے ملنے والے ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت لطف اٹھاتے تھے، تذکرہ گلزار ابراہیم کے مصنف کا بیان ہے کہ

---

[1] مجموعہ نغز ص ۲، حصہ دوم [2] نکات الشعراء ص [3] تذکرہ گلزار ابراہیم ص ۱۸۴ [4] تذکرہ میر حسن ص ۱۴۲

آٹھ پہران کو خوش طبعی اور خوش اختلاطی سے کام تھا، کوکے تھے احمد شاہ بادشاہ کے اور مربی گری ظرافت کی (سے) ندیم تھے جہاں پناہ کے، چناں چہ ظریف الملک کوکے خاں بہادر حضور سے بادشاہ کے خطاب پایا تھا اور مرتبہ کو شوخی کے ساتھ لطیفہ سنجی کے بہت دور پہنچایا تھا[۱]۔"

میر صاحب بھی رقم طراز ہیں، کہ

طبع او مائل لطیفہ بسیار است، چناں چہ ناگر مل را کہ دیوان تن و دخیل بادشاہیست گھی کی منڈی کا ساند گفتہ۔ ہر کہ دیدہ دیدہ باشد و فہمیدہ باشد. و حکیم معصوم را در دربار معلیٰ گاو گجراتی نام کردہ ہر کہ حکیم صاحب را بینید وا ند[۲]۔"

تمام تذکرہ نویسوں نے ان کی ظرافت اور خوش طبعی کا ذکر کیا ہے، سید فتح علی حسینی گردیزی لکھتے ہیں کہ

وضع ظریفانہ دارد[۳]۔"

چمنستان شعرا میں ہے:" واکثر گاہ چمنستان قلوب را از نسیم لطیفہ گوئی و ظرافت معطر امی نمود[۴]۔"

میر حسن کا بیان ہے کہ" از ہنگامہ آرایان زمان و ظرفائے دوران خوش طبع و شیریں بیان اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں کوکہ احمد شاہ بادشاہ غفران پناہ خاں ظریف طبع و خوش اختلاط بود، با ہر کس خوش طبعی وانست شاعر مربوط بطور خود لطائف و ظرائف او مشہور است[۵]۔"

---

۱ گلشن ہند ص ۱۴۰ ۲ نکات الشعراء ص ۷۴ ۳ تذکرہ ریختہ گویان ص ۱۲۱ ۴ چمنستان شعراء از لچھمی نرائن شفیق ص ۲۸۴ ۵ تذکرہ میر حسن ص ۱۴۲

مجموعۂ نغز میں ہے:
"نہایت یار باش و خلیق ظریف الطبع مزاج سراسر سرور بسر ابتہاج بود۔[1]"

ناسخ نے بھی سخن شعرا میں لکھا ہے کہ بڑے ظریف تھے[2]، محمد حسین آزاد نے گل افشانی کی ہے کہ "ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیزی اور طراری کو ان کے مزاج سے وہ لگاؤ تھا جو باروت اور حرارت کو، لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی زبان میں ایسی تھی جیسی تلوار میں جوہر۔" اس کے بعد ایک لطیفہ نقل کیا ہے جو اگرچہ بہت مشہور ہے لیکن محض ناظرین کے تفنن طبع کے لیے آزاد ہی کی زبان میں ہم اس کو سناتے ہیں۔ "فغاں نے ایک دن راجہ شتاب رائے کے دربار میں ایک غزل پڑھی جس کا قافیہ تھا لالیاں، جالیاں، سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی، راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے، ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے، مگر تالیاں رہ گئیں، انھوں نے ٹال دیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو؟ جگنو میاں کیا کہتے ہیں، انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا اور حضور فرمائش تو اب بھی ہو سکتا ہے، مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ کہنا تو چاہیے، انھوں نے اسی وقت پڑھا

جگنو میاں کی دم جو چمکتی ہے رات کو
سب دیکھ دیکھ اس کو بجاتے ہیں تالیاں

تمام دربار چمک اٹھا اور میاں جگنو مدھم ہو کر رہ گئے[3]۔"

نواب علی حسن خاں نے بھی اپنے تذکرۂ صبح گلشن میں بذلہ سنجی کی تعریف

---

[1] مجموعۂ نغز ص ۲، [2] سخن شعرا ص ۳۶۹ [3] آب حیات ص ۱۱۵

ان الفاظ میں کی ہے،

بسکہ مزاجش مزاح و ظرافت رامی پسندید از کلام طیبت انگیز احدی از عالی و اسافل نمی رنجید، گویند ہر گاہ مکانش برفعت و وسعت معمر و مرتب گردید و بزم نشاط چید[1]

اس بزم نشاط کا ایک لطیفہ نواب صاحب موصوف نے بھی نقل کیا ہے، جو ذرا غیر سنجیدہ ہے، اس لیے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں،

فغاں کی ہجویں شاعری کے میدان میں فغاں کی ظرافت اور بھی تیز بلکہ بہت زیادہ تیز ہو جاتی ہے، پیش نظر دیواں میں ان کی دس ہجویں ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مختلف اشخاص کی کی ہیں، ان میں بعض تو ایسی ہیں جو اعتدال کی حد سے اتنی آگے بڑھ گئی ہیں کہ وہ فحاشی اور گالی گلوج کہی جا سکتی ہیں،

عام طور سے اردو میں ہجو گوئی کا معیار بہت ہی پست ہے، بلکہ یہ ادب اردو کے رخ گلگوں کا بہت ہی بدنما داغ ہے، ہجو گوئی کا مقصد اردو شعرا خصوصاً قدما کے یہاں وہ نہیں جو فرانس میں ربیلے، مولیر، والٹیر اور اناطول فرانس یا انگلستان میں ڈرائیڈن پوپ اور بائرن یا عرب میں قدامہ، ابی عمر بن العلا، اور ابن رشیق کے یہاں ہے، بلکہ وہ ہے، جو ایرانی شاعری میں سوزنی، عبید زاکانی اور فتوحی کے یہاں ہے یعنی یہی کہ بغض و عناد یا تمسخر میں ذاتی تضحیک و تذلیل، جوش انتقام میں سب و شتم، اور حسد میں طنز و تشنیع کرنا، عربی شعرا مثلاً ابن قدامہ اور ابن رشیق کے نزدیک جسمانی یا آبائی عیوب کا ذکر کرنا تہمت لگانا اور بدزبانی کرنا ہجو گوئی نہیں بلکہ گالی گلوج ہے، اس لحاظ سے اردو کے قدیم ہجو گو شعرا کے یہاں صرف گالی گلوج بلکہ ایسی فحاشیاں ہیں جن کو پڑھ کر حیا کی گردن جھک جاتی ہے،

---

[1] صبح گلشن ص ۳۱۹

ہجو گوئی کے مردمیدان مرزا سودا ہیں وہ طبعاً نہایت نازک مزاج واقع ہوئے
تھے پھر ان کی رگوں میں سپاہیانہ خون رواں تھا اس دو آتشہ نے ان کی ظرافت
اتنی تیز کر دی تھی کہ ان کی ہجو میں متانت سنجیدگی اور سلامت روی کا کہیں پتہ باقی
نہ رہا ان کے یہاں پھبتیاں کہنا کھلی کھلی گالیاں دینا، حسب ونسب کی دھجیاں اڑانا
کوئی غیر معمولی بات نہیں، پھر معلوم نہیں سودا کا رنگ اس قدر کیوں جما کہ ان کے معاصروں
میں جس کسی نے ہجو کی اسی انداز کو اختیار کیا اور رفتہ رفتہ ہجو کے معنی تعریض، تنقیص،
تضحیک، تذلیل، سب و شتم، گالی گلوچ اور بے ہودہ گوئی وغیرہ سب کچھ تصور کیا
جانے لگا،

چناں چہ فغاں کے یہاں بھی یہ ساری خصوصیات موجود ہیں، مثلاً میر معصوم
کی ہجو میں لکھتے ہیں:

ایک ہیں آشنا مرے مجہول! | خود نما بوالفضول نامعقول
یا بھتیجے ہیں یہ اسد خاں کے | متبنیٰ ہیں خان دوراں کے
یا یہ شایستہ خاں کے پوتے ہیں | خانخاناں کے ہوتے سوتے ہیں
یا کہ نانی تھی ان کی نور جہاں | ان کا نانا تھا شیر افگن خاں

آبائی عیوب کا ذکر کر کے جسمانی نقائص کا ذکر کرتے ہیں،

سر کہاں ہے تلا ہے ہانڈی کا | حلق جیسے گلا ہے ہانڈی کا
بھویں آپس میں اس طرح رلیاں | جس نمط لڑ رہی ہوں چھپکلیاں
چشم تو ہے برنگ دیدۂ بوم | نہ دکھاوے خدا یہ صورت شوم
کان پھیلے ہیں جوں پر شپرک | ہے بناگوش جوں سر شپرک
ناک تو اس طرح سے ہے اینٹھی | جیسے جوتے پہ مینڈک کی بیٹھی

آگے پڑھتے پڑھتے تو آنکھیں بند کر لینی پڑتی ہیں دو اور ہجووں میں ابتذال رکاکت

اور فحاشی اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ سودا بھی ان کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں،

مگر اس زمانہ میں ہجو گوئی کا جو عام معیار ہے، اس لحاظ سے فغاں کی بعض ہجو اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہیں، دلی چھوڑ کر جب مرشد آباد چلے تو راستہ میں الہ آباد وہاں کی سرزمین اور وہاں کے لوگوں سے خوش نہ ہوئے، جل کر ان کی ہجو لکھی جو

کہاں سے کہاں چرخ لایا مجھے — عجب شہر ڈھونڈا دکھایا مجھے
یہ وہ شہر جس کو کہیں ہیں پراگ — مرا بس چلے آج دوں اس کو آگ
جہاں تک تری ہے وہاں سیل ہے — نظر آئی خشکی تو کیچڑ بل ہے
لکھوں خاک نقشہ میں اس شہر کا — کہ یہ تو ہے بیت الخلا دہر کا

. . . .

. . . .

لکھوں وضع گر مردم شہر کی — تم ہو جائے حرمت ابھی دہر کی
عجب دہر ہے جس میں یہ شہر ہو — مصیبت ہے زندان ہے قہر ہے
نکالے خدا اس بلا سے شتاب — نہ ہوگا جہنم میں اتنا عذاب
اگر ہوگا تو یار ہوں گے کئی — وہاں میرے غم خوار ہوں گے کئی
وہ پہنچیں گے آخر مرے درد کو — دکھاؤں گا اپنے رخ زرد کو
کہوں گا کہ میں عاشق زار ہوں — مری داد دو میں گرفتار ہوں

وہاں کے ارباب علم و اصحاب کمال کی جو خبر لی ہے وہ ملاحظہ ہو:

یونہی ہنستے ہنستے یہ آیا خیال — بھلا دیکھئے یہاں کے صاحب کمال
انھیں شاعری میں ہے کتنا شعور — کوئی ریختہ پڑھیے ان کے حضور
پڑھا ریختہ میں تو خاموش تھے — زباں سے انھیں کیا فقط گوش تھے

وہاں کے پیر مرشد اور شاعر کامل شاہ عبدالرحمان الہ آبادی کی جو درگت بنائی ہے وہ بھی

سن لیجیے۔

اگر کوئی جاہل کو ان کو دشنام دے | کہیں تجھ کو اللہ آرام دے
کہیں آپ کو مرشد کا ثنا متصد | تبرک ہے یہاں میر صاحب کی ذات

شاہ صاحب شاعری میں جو درک رکھتے ہیں پہلے ان ہی کی زبان سے سنیے:

سنو جس کی پھولی گلستان ہے | وہ سعدی میرا بوڑھا دربان ہے
نظیری مجھے دیکھ خاموش ہو | اسے خانخاناں فراموش ہو
رکھے تھا اگرچہ وہ دست سخا | تو میں بھی تو رکھتا ہوں دست دعا

اب اس کے آگے سنیے:۔

کئی شعر ہیں یاد استاد کے | تصدق ہوں میں آپ کی یاد کے
سو کہتے ہیں وہ میرے مضمون ہیں | تب ہی اس فصاحت سے موزوں ہیں
اگر کوئی بولا کہ فرمائیے | نئے شعر کچھ اپنے پڑھ جائیے
تو اس مثنوی کو پڑھیں ہیں پکار | کہ تا شاہدی دیویں اہل جوار
کریما بہ بخشائے بر حال ما | کہ ہستم اسیر کمند ہوا
کبھی کاٹ کا ایک تکہ بنا | پھرے ہیں یہ پڑھتے ہوئے جا بجا
الٰہی بہ اعزاز آں پنجتن | کہ ہستند فخر زمین و زمن

مگر فغاں کا اصلی شاعرانہ کمال ان کی غزلوں سے ظاہر ہے عمر میں تو وہ میر، سودا اور درد سے چھوٹے تھے، لیکن موجودہ دور کے بعض ارباب نظر نے ان کا شمار شعرائے متقدمین میں کیا ہے آزاد نے ان کو اردو شاعری کے دور دوم میں رکھا ہے جس میں حاتم اور سراج الدین خاں آرزو ہیں اور مولانا عبدالحی نے قدما کے دور سوم میں شامل کیا ہے جس میں شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین مضمون، میر محمد شاکر ناجی، محمد حسین

کلیم اور مصطفے خاں یک رنگ وغیرہ ہیں۔ مگر قیام الدین قائم نے فغاں کو اپنے مجوزہ طبقہ رسوم میں یعنی مظہر جانجاناں، میر تقی میر، مرزا رفیع سودا، میر سوز اور انعام اللہ خاں یقین وغیرہ کے ساتھ رکھا ہے اور یہی صحیح تقسیم ہے کیونکہ پیش نظر دیوان میں بعض خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر ان کو متقدمین کے بجائے شعرائے متوسطین کے دور اول کی صف میں جگہ دینی چاہیے۔ موخرالذکر دور کے شعرا کے کارنامے یہ ہیں کہ انھوں نے ایہام گوئی کو چھوڑ کر زبان کی صفائی اور صحت کی کوشش کی، فارسی کی دلپذیر ترکیبیں اور پسندیدہ محاورے اردو میں رائج کیے، الفاظ کی بندشوں کو چست اور لطیف بنایا اور پرانے عاشقانہ مضامین کو روزمرہ بول چال میں خوش اسلوبی سے ادا کیا اور یہ تمام باتیں فغاں کے یہاں موجود ہیں،

فغاں کا موجودہ دیوان تو ایہام گویوں کے خلاف سراسر جہاد ہے۔ ایہام گوئی کے خلاف سب سے پہلے مرزا مظہر جانجاناں نے علم بغاوت بلند کر کے اس خس و خاشاک سے اردو شاعری کو پاک کیا۔ لیکن مرزا مظہر اردو میں اشعار کہنا اپنے لئے طرۂ امتیاز نہ سمجھتے تھے، اس لئے اردو شاعری کو واقعتہً جس نے ایہام گوئی کی برائیوں سے صاف کیا وہ ان کے شاگرد رشید انعام اللہ خاں یقین تھے، فغاں مرزا مظہر سے تو بہت چھوٹے لیکن یقین کے ہم عمر تھے اب معلوم نہیں فغاں نے مرزا مظہر کے زیر اثر ہو کر یا یقین کی تقلید میں یا اپنی طبیعت کی افتاد سے ایہام گوئی کی صنعت چھوڑی، مگر کسی کی تقلید میں شعر کہنا وہ اپنے لئے ننگ سمجھتے تھے وہ خود کہہ گئے ہیں،

کیوں کریں غیر کے مضمون کو فغاں ہم موزوں   تازگی ہو وے سخن میں یہ کمال اپنا ہے

بہرحال حقیقت جو کچھ ہو لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں یقین ریختہ گوئی کو ایہام گوئی سے پاک کر رہے تھے اسی زمانہ میں فغاں نے بھی اس

صنعت سے بہت زیادہ احتراز کیا ہے، چناں چہ بقول مخدومی مولانا عبدالسلام ندوی وہ مصلحین اردو شاعری کی صف اول میں جگہ پانے کے قابل ہیں[1]

جہاں تک زبان کی صفائی اور صحت کا تعلق ہے فغاں نے وہی زبان استعمال کی ہے جو مرزا مظہر، سودا، میر اور درد کے یہاں ہے، قدما کے الفاظ ان کے یہاں نہیں ملتے ہیں اور جو متروکات سودا اور میر کے یہاں بکثرت استعمال ہوتے ہیں فغاں کے یہاں مشکل سے کہیں کہیں ملیں گے، پورے دیوان میں صرف کسو، نت، جون، سان اور ٹک چند بار استعمال ہوئے ہیں،

البتہ ولی کی طرح "تئیں" کا استعمال جا بجا کیا ہے، بلکہ دو غزلیں تو اسی ردیف میں لکھی ہیں، جن کے بعض اشعار یہ ہیں،

شعلہ ہماری آہ کا ہوتا چلا بلند — نزدیک ہے کہ آگ لگے آسماں کے تئیں
خلوت ہیں وہ ہو، جام ہو، مطرب ہو اور شراب — یہ دن خدا دکھاوے ہمارے فغاں کے تئیں
مے نہیں، مینا نہیں، ساغر نہیں، ساقی نہیں — جی میں آتا ہے لگا دوں آگ میخانے کے تئیں[2]

اسی طرح ایک قطعہ ہے جس میں جالیاں، کالیاں، اور نکالیاں جیسے الفاظ قدما کی یاد تازہ کرتے ہیں[3]،

دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہیں مجھے — جینے لگا وہ شوخ مراتب سے چالیاں
ایذا ہر ایک طرح سے دیتے غرض مجھے — کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحیں نکالیاں

۱؎ معارف جلد ۹ نمبر ۴،

۲؎ ولی کا ایک مقطع ہے،

پیدا ہوا ہے جگ میں ولی صاحب سخن — میری طرف سوں جا کے کہو انوری کے تئیں

۳؎ حاتم کا ایک مطلع ہے،

جب سے تیری ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں — تب سے جہاں میں تو نے دھومیں مچائیاں ہیں

ہم نے شب فراق میں سنتا ہے اے فغاں کیا خاک سو کے حسرتیں دل کی نکالیاں
یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روئے وصل آنکھیں جو کھل گئیں وہیں راتیں نکالیاں

مگر یہ الفاظ متوسطین کے دور اول میں متروک نہیں ہوئے تھے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا دونوں ردیف اور قافیے اس زمانہ میں بہت ہی پسندیدہ تھے، میر[1] سودا[2]، یقین[3]، اور بیدار[4] نے بھی اس ردیف اور قافیے میں غزلیں لکھی ہیں،

فغاں نے فعل امر کے استعمال میں قدماہی کی روش پسند کی ہے اور یہ چیز شعرائے متوسطین کے دور سوم تک جاری رہی اس کے علاوہ یہ لفظ فغاں کی غزلوں میں ایسے موزوں ہیں کہ موجودہ مذاق کے مطابق بھی ان میں قبح کے بجائے حسن پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں
باد صبا تو عقدہ کشا اس کی ہو جیو مجھ سا گرفتہ دل نظر آوے اگر کہیں
اتنا ہجوم خوش نہیں آتا ہے اشک کا عالم کو مت ڈبوئیو اے چشم تر کہیں
مجھ سے گرفتہ دل کو خدا شاد کیجیو اس خانماں خراب کو آباد کیجیو

---

[1] میر: مدت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ ہمیں نہیں کیا جانیے کہ مبر گئے ہم کدھر کے تئیں
کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شتاب روتے گذرنیاں ہیں راتیں ساریاں

[2] سودا: جب لبوں پر یار کے مسی کی دھڑیاں دیکھیاں جوں زحل کی ساعتیں اس دل پہ کڑیاں دیکھیاں

[3] یقین: کم نہیں ہم بوجھتے کعبے سے میخانہ کے تئیں سجدہ ہم کرتے ہیں جوں محراب پیمانے کے تئیں
گالی بھی پی گئے ہیں، ماریں بھی کھائیاں ہیں ہم نے تری جفائیں کیا کیا اٹھائیاں ہیں

[4] بیدار: جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں بل بے ظالم تری بے پروائیاں
یارب جو خار غم ہیں جلائے انھوں کے تئیں جو غنچہ طرب میں کھلا دے انھوں کے تئیں

اس باغباں کو میری اسیری کا کیا الم　　　اے عندلیب تو تو مجھے یاد کیجیے

پھر اس قسم کے متروکات فغاں کے یہاں بہت ہی کم ہیں، عام طور سے دیوان شروع سے آخر تک سلاست اور فصاحت سے بھرا ہوا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے ہم عصر شعرا میں بہت ممتاز ہیں ان کے معاصر انعام اللہ خاں یقین کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے ریختہ کو بہت ہی شستہ بنایا۔ مصحفی یقین کے بارے میں لکھتے ہیں،

در دورۂ ایہام گویاں اول کسے کہ ریختہ را شستہ در رفتہ گفتہ ایں جواں بود بعد ازاں تتبعتش بہ دیگراں رسید" (ص ۲۶۵)

اسی طرح یقین کے ذکر میں تذکرہ فتح علی میں ہے،

بے اغراق ریختہ گوئی بر طاق ملند گذاشتہ و تخم معنی در زمین سخن کاشتہ (ص ۱۴۶)

صاحب گل رعنا بھی اپنی خوش عقیدگی کے جوش میں رقم طراز ہیں کہ اگر یقین جیتے رہتے، تو میر ہوں یا مرزا ہوں، کسی کا چراغ ان کے سامنے نہیں جل سکتا تھا،

مگر ان خوبیوں کے باوجود یقین کے یہاں بعض الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جو اس زمانہ میں متروک ہو چکے تھے، مثلاً جگہ کے بجائے جاگہ، رکھنا کے بجائے راکھنا۔ لگنا کے بجائے لاگنا، سے کے بجائے ستی اور سیتی، جلنا کے بجائے

۵۱	تیری جاگہ اگر پتھر بھی ہوتا آب ہو جاتا	پھٹی چھاتی کو میری دیکھ کوہ طور رو دیتا
۵۲	کسی کا کبھو راکھا کہ دل تم کو لازم ہے	دگر نہ دلربا ؤں کا لقب دلدار کیوں ہوتا
۵۳	نہ تنک سے لاگے ہے پروانہ کے جیسے تن کو آگ	لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ
۵۴	منہ پھیر نہ نالہ سے آنسو سے نہ موڑ آنکھیں	اتنا بھی یقیں مت ہو اپنے سے تی بیگانہ
	ہاتھ سیتی جا چکا جب یار تب آئی بہار	پی کے تے تنہا کوئی دھومیں مچاوے کس طرح

جیونا[۱]، جاننا کے بجائے بوجھنا[۲]۔ ادھر کے بجائے ایدھر[۳] اور کدھر کے بجائے کیدھر[۴] استعمال کئے گئے ہیں، اس کے برخلاف فغاں کے یہاں یہ متروکات بالکل نہیں پائے جاتے اگر ان کے دیوان پر نظر ڈالی جائے تو متروکات کی جگہ نئے ترشے ہوئے الفاظ ملیں گے

فغاں نے قلعہ معلیٰ کی چہار دیواری میں پرورش پائی تھی اس لئے فطری طور پر ان کی زبان میں اردوے معلیٰ کی گھلاوٹ ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز ہیں یقین کی ایک مشہور غزل ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے	اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہماری لاش کی تشہیر ہے ضرور	آئندہ تا کوئی نہ کسو سے وفا کرے
جو کوئی عرض حال کرے تجھ ستی مرا	اول بیان واقعہ کربلا کرے
خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے	زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

۱؎ عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھ لی | بوالہوس جیویں مریں ہم اے محبت واہ واہ

۲؎ کم نہیں ہم بوجھتے کعبہ سے میخانے تئیں | سجدہ ہم کرتے ہیں جوں محراب پیمانے تئیں

۳؎ دلوں پر برق سی گرتی تھی جب ہم نالہ کرتے تھے | گئیں کیدھر نہیں معلوم ان آہوں کو تاثیریں

۴؎ فغاں کے یہاں "سے" کے بجائے "سیتی" صرف ایک دو جگہ استعمال ہوا ہے

واہوا اگر کبھی میرا محبوب مجھ سیتی | اٹھ جاویں درمیان سے پردے حجاب کے

محمد حسین آزاد نے آب حیات (ص ۱۱۷) میں "پالیاں" "چالیاں" کے قافی والی جو غزل نقل کی ہے اس میں ایک جگہ "سے" "کے" بجائے "سین" ہے لیکن میرے پیش نظر قلمی نسخہ میں "سے" ہی ہے،

ہوتا ہی خاکِ راہِ وفا بے گماں یقیں　　ہر دل میں یہ کہ شرطِ محبت ادا کرے[1]

فغاں نے بحر بدل کر اسی قافیہ اور ردیف میں جو طبع آزمائی کی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

یار اگر جفا کرے چاہیے دل وفا کرے　　یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

یار طرف نظر رہی اشک سے چشم بھر رہی　　جیب و کنار تر رہی خونِ جگر بہا کرے

کوچۂ یار پاک ہو جان کہیں ہلاک ہو　　کاش یہ جسم خاک ہو در پہ ترے اڑا کرے

جو کوئی عشق باز ہو چاہیے وہ گداز ہو　　شعلۂ دل فرازنہ ہو شمع صفت جلا کرے

تو تو فغاں ہے پیر دیر پاتے ہیں تجھ سے لطف سیر　　کوئی جیے گا تجھ بغیر تو نہ مرے خدا کرے

یقین کا شاعرانہ کمال اپنی جگہ پہ لیکن زبان کی جو صفائی اور روانی فغاں کے یہاں ہے وہ یقین کے ہاں نہیں، دونوں کے ملتے جلتے مضامین کے کچھ مفرد اشعار بھی ملاحظہ ہوں،

یقین　بہار آئی ہے کیا کیا چاک جیب پیرہن کرتے　　جو ہم بھی چھوٹ جاتے اب تو کیا دیوانہ پن کرتے

فغاں　بہار آئی مرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہے　　مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں

یقین　آنکھ سے نکلے یہ آنسو کا خدا حافظ یقیں　　گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

---

[1] اس غزل کا پہلا دوسرا اور چوتھا شعر سودا کی طرف بھی منسوب ہے دیکھو کلیات سودا ص .. نول کشور پریس لکھنؤ خاں بہادر محمد شفیع (لاہور) کے نسخے میں اس قافیہ اور ردیف کے ساتھ فغاں کی ایک اور غزل ہے جو شاید ان کو خود پسند نہ ہوئی۔ اس کے بعض اشعار یقین اور سودا سے ملتے جلتے ہیں مثلاً

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے　　تو بھی کہیں فریفتہ ہووے خدا کرے

قاتل ہمارے نعش کو تشہیر ہے ضرور　　آئندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے

گر ہو شراب و خلوت معشوق خوبرو　　زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

فغاں: مجھ سے ہل سکے گا نہ ہرگز یہ طفل اشک — لخت جگر کو گود میں جب تک کہ بھرنہ لے

یقیں: آپ سے جب تک نہ تھا واقف کہاں تھا یہ تنکو — دیکھتے ہی آئینہ میں منہ سکندر ہو گیا

فغاں: دل میں فغاں کے ہم نے عکس دوئی نہ دیکھا — آئینہ سکندر گیا اس کے روبرو ہو

اس زمانہ کے عام مذاق کے مطابق یقین کے کلام میں بعض جگہ تعقید[۱]، عجیب وغریب ترکیب[۲] اور قافیے میں ناہمواری[۳] بھی پائی جاتی ہے، لیکن فغاں کا دیوان ان معائب سے پاک ہے، البتہ "نے" کے استعمال میں فغاں نے قدیم نحوی طریقہ اختیار کیا ہے، جس سے موجودہ ذوق کے مطابق زبان میں کچھ ثقل پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

اے شیخ میں کل سے نہیں دیکھا ہے صنم کو — اس وقت خدائی سے بھی بیزار بیٹھا ہوں

ایک جگہ "انھوں" کے استعمال میں بھی ثقل پیدا ہو گیا ہے

جو میری تحقیق میں آیا سو اب کرتا ہوں عرض — ہائے تو ان کی غلط ہے بد انھوں کا ہے شعار

لیکن ان ایک دو باتوں کو نظر انداز کر دیجئے تو پھر زبان میں روانی اور صفائی اس قدر پائی جاتی ہے کہ بعض غزلوں پر بقول استاذی مولانا عبدالسلام ندوی، داغ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے، مثلاً

مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے — آمرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے

کج کلہ تیغ بکف چیں بر ابرو بے باک — یاالٰہی یہ ستمگار کہاں جاتا ہے

---

[۱] مثلاً — کہاں سکتے ہیں چڑھ منہ پر بتاں ناز و تمکیں کے — کہ ہیں ہم صبر کے بے خرچ مفلس ہیں ل دیں کے

[۲] " — شکن تشاق دل میرا ہوا ہے سخت سودائی — جہاں یہ دیکھتا ہے سنگ وہاں کرتا ہے بینائی

[۳] زور، شور کے قافیہ کے ساتھ چھوڑ، اور کروڑ بھی استعمال کیا ہے، دیکھو دیوان یقین ص ۱۶ انجمن ترقی اردو

ساغر ہو اور مینا، صہبا ہو اور سبو ہو
جم جم رہے یہ صحبت دنیا ہو اور تو ہو

منظور عشق یہ ہے عشاق پا شکستہ
محتاج در بدر ہو آوارہ کو بکو ہو

اے عندلیب زمزمہ کر لے پکار کے
آئی خزاں چمن میں چلے دن بہار کے

ساقی مجھے تو ساغر نرگس میں دے شراب
کھلتی نہیں ہے چشم تو مارے خمار کے

ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلا نہ دے
یہ دل بھی دل نہ ہوئے جو تجھ کو دعا نہ دے

تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہاں فغاں
الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

فغاں کے یہاں شعرائے متوسطین کی طرح بعض ترکیبیں تو بہت سبک دلپذیر اور دلکش ہیں، مثلاً کاروان اشک، طفل اشک، دامن صحرا، داغ جنون خاکپائے، چراغ آتش کدۂ دل، تشنۂ عشق، گرفتہ دل، صف مژگاں وغیرہ مگر کہیں کہیں موجودہ ذوق کے مطابق گراں ہو گئی ہیں، مثلاً

برنگ طائر بسمل موئے یہ کشتۂ عشق
کسی نے غم نہ کیا خاک و خوں طپیدوں کا

دہن کو دیکھ تیرے ہونٹ چاٹتے رہ گیے
بھرا نہ قند سے منہ چاشنی چشیدوں کا

ایسی ترکیبیں اس زمانہ کے شعرا کے یہاں عام ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اس دور میں اردو شاعری کو اس قابل بنایا جا رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے خیالات، جذبات اور احساسات کا اظہار اچھی طرح ہو، فارسی سامنے تھی اس لیے اس زبان کی ترکیبیں اور محاورے بکثرت منتقل کیے جانے لگے ان میں سے اکثر تو اردو شاعری کے رخ زیبا کی زینت بن گئے، لیکن بعض کھپ نہ سکے، انہی میں فغاں کی مذکورۂ بالا ترکیبیں ہیں، اسی طرح فارسی محاورات کو اردو میں رائج کرنے کی کوشش میں ایک جگہ ایسا محاورہ بھی استعمال ہو گیا ہے جو آج غیر فصیح معلوم ہوتا ہے،

یار برباد تو دیتا ہے مرے خون کو لیک
نہ اڑے چھینٹ کہیں گوشۂ داماں کی طرف

فغاں نے فارسی کے محاورہ بر باد دادن سے برباد دینا استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن اردو میں برباد کرنا رائج ہوا مگر اس قسم کے محاورے شاید ایک آدھ ہی ہیں ورنہ عام طور سے تمام محاورات موجودہ مذاق کے مطابق ہیں،

الفاظ کی بندش فغاں کے یہاں شعرائے متوسطین کی طرح الفاظ کی بندش بھی چست اور لطیف ہے، مثلاً

پامال عشق کوچہ الفت سے کیا چلے
چلتے ہیں ہم یہاں سے اگر نقش پا چلے

لخت جگر کو دیکھ کے کہتے ہیں طفل اشک
گر چل سکے تو ساتھ ہمارے چلا چلے

رسوائے خاص و عام ہوں جاؤں جہاں لیے
اس داغ دار دل کو پھروں میں کہاں لیے

وا ہوں بہ رنگ گل جو سخنداں ملے کہیں
غنچہ صفت خموش ہوں منہ میں زباں لیے

اس قافلہ کے بیچ صدائے جرس نہیں
جاتی ہے سیل اشک عجب کارواں لیے

کیوں کر کوئی زیارت زخم جگر کرے
پردے اٹھے نہیں ہیں دل داغ دار کے

طاق نسیاں پہ نہ رکھ شیشۂ دل کو ظالم
یہ نہ ہووے کہ مرا آبلۂ دل پھوٹے

کر دیا وقف مرے کلبۂ احزاں کو فغاں
خوان یغما کے یہ معنی ہیں جو چاہے لوٹے

بندش پر ردیف کے اثر کی مثال ملاحظہ ہو:

عاشق کا دل تجھے گر مطلوب ہے تو یہ ہے
گر زشت ہے تو یہ ہے اور خوب ہے تو یہ ہے

پردہ اگر دوئی کا اٹھ جاوے تو دکھا دوں
معشوق ہے تو یہ ہے محبوب ہے تو یہ ہے

اب کیا علاج کیجے خانہ خراب دل کا
ہوشیار ہے تو یہ ہے مجذوب ہے تو یہ ہے

لخت جگر فغاں نے اب نامہ بر کیا ہے
پیغام ہے تو یہ ہے مکتوب ہے تو یہ ہے

الفاظ کی بندش کی چستی سے کہیں کہیں بقول مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کلام میں موسیقیت اور کہیں کہیں تشابہ پیدا ہو گیا ہے پہلے موسیقیت کی

مثالیں ملاحظہ ہوں :

نے شعلہ و نے برق و نہ اخگر نہ شرر ہوں   میں عاشق دل سوختہ ہوں تفتہ جگر ہوں
زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک   میں کشتۂ الفت نہ ادھر ہوں نہ اُدھر ہوں

قاتل کے دم تیغ سے یہ بوالعجبی ہے   بسمل کی زباں پہ طپش تشنہ لبی ہے
آنکھیں ترے پاؤں سے لگیں عین سعادت   دامن کو ترے ہاتھ لگے بے ادبی ہے

دشمن ہے محتسب دل خانہ خراب کا   چھوٹے نہ اس کے ہاتھ سے شیشہ شراب کا
جاری ہے میرے گوشۂ داماں سے سیل اشک   تر اس قدر ہے کا ہے کو دامن سحاب کا

اس دل کو الٰہی کیوں آسیب نہ پہنچے   میں ٹھیس سے ڈرتا ہوں کہ شیشہ میں پری ہے
صنعت کے یہ معنی ہیں کہ ٹوٹے کو بنا دے   دل توڑنا یہ کون فن شیشہ گری ہے
ہوں عاشق دل سوختہ جوں سرو چراغاں   اس نخل کی ٹہنی نہ ہری ہے نہ بھری ہے
کیوں پھونکتا رہتا ہے فغاں داغ جگر کو   بجھ جائے گا آپ ہی یہ چراغ سحری ہے.

اس کے بعد تشابہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

کسی کے پاس دیکھوں یار کو میں سہ نہیں سکتا   رہوں تو رہ سکتا کہوں تو کہہ نہیں سکتا
یہ موج اشک میری صورت زنجیر رکھتی ہے   جلوں تو جل نہیں سکتا بہوں تو بہ نہیں سکتا

تجھے ہر صبح ہنسنا تھا تجھے ہر شام شادی تھی   مجھے ہر روز جلنا تھا مجھے ہر رات رونا تھا

تجھ سے رقیب ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت   ہم یوں رہیں ترستے یہ بھی خدا کی قدرت

جی لے تو ہنستے ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت　　دل دوں میں روتے روتے یہ بھی نصیب میرے

فغاں کے الفاظ کی بندش کی داد موجودہ دور کے ارباب کمال نے بھی دی ہے، محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ "ان کے الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے" مولانا عبدالسلام ندوی رقم طراز ہیں کہ ان کی بندش کی چستی ان کی زبان کی سلاست اور روانی کو اور دوبالا کر دیتی ہے پھر لکھتے ہیں کہ بندش کی چستی نے بعض جگہ فغاں کی ترکیبوں میں نہایت تشابہ اور توازن پیدا کر دیا ہے اس لیے کلام میں روانی کے ساتھ موسیقیت بھی پیدا ہو گئی ہے جو کانوں کو نہایت خوش آیند معلوم ہوتی ہے"

بقول مصنف گل رعنا متوسطین شعرا کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ "جو عاشقانہ مضامین غزلوں میں بہت پہلے سے بندھتے چلے آتے تھے ان کو بہ تبدیل الفاظ اور بتغیر اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ میں خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ بار بار پڑھیے اور مزے لیجئے" یہ خصوصیت فغاں کے یہاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے پیش نظر دیوان کی تمام غزلیں اس کی بین مثالیں ہیں، فغاں کی شاعری میں مضامین کی بلندی یا خیالات کی ندرت نہیں بلکہ اس میں عشق و عاشقی کے وہی پرانے قصے ہیں جن میں صرف زبان کی صفائی کا لطف ہے اس کا اندازہ ناظرین ان کے اشعار سے کر سکتے ہیں،

فغاں کے قطعات

فغاں نے کثرت سے قطعات بھی لکھے ہیں عام طور سے قطعہ میں کوئی حکیمانہ خیال یا اخلاقی سبق ہوتا ہے، لیکن شعرائے متقدمین و متوسطین نے بعض قطعوں میں کسی مرکب خیال کو ظاہر کیا ہے اور رنگ تغزل ہی کا قائم رکھا ہے اس لیے یہ قطعات گویا مسلسل غزلوں کا مجموعہ ہی ہو گئے ہیں، فغاں کے قطعات بھی اسی رنگ کے ہیں، ان کے

قطعات میں حکمت و اخلاق کے مسائل اور پند و نصائح کے مضامین نہیں بلکہ عاشق کی ناکامی، بے چارگی اور معشوق کی بے دردی، ولاپروائی اور بے اعتنائی کی داستان ہے، لیکن ان میں بعض ایسی سچی تصویریں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فغاں کے خود قلبی "تاثرات اور ذاتی" واردات ہیں،

ایک عاشق کی زبوں حالی ملاحظہ ہو،

وقت بہار مجھ دل شیدا کا اے فغاں
یہ تھا شعار دشت کو ہر سال دیکھنا

اس سال مجھ کو دیکھ غزالاں نے یوں کہا
منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا

جا دیکھ آج دشت میں ماتم نشیں ہے بید
مجنوں کے خاک پر وہ کھلے بال دیکھنا

شب فرقت کی جانگداری دیکھیے

سوئے شب فراق میں آرام سے فغاں
یہ ہے خیال محض وہ بیدار ہی رہا

کافر ہو گر پلک سے لگی ہو کبھی پلک
تکتا ہوا سدا در و دیوار ہی رہا

اس خیال کو ایک دوسرے قطعہ میں اس طرح باندھا ہے

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں
یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا

تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو
کیوں کہ پڑی تھی نیند تجھے کیوں کہ سو سکا

بعض جگہ یہی مضامین سوز و غم کی ہو بہو تصویر بن گئے ہیں،

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گذر گئی
دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

پھر اس قطعہ میں معشوق کی جفا اور عاشق کی حسرت و یاس کا کیسا موثر بیان ہے،

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں
انصاف کو نہ چھوڑ مروت اگر گئی

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے
یوں بھی گذر گئی مری دوں بھی گذر گئی

ایک جگہ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ بھی کھینچا ہے،

خون دل غریب کو پیتا ہوں ہر سحر — لخت جگر تو آذقہ شام ہو گیا
اپنی کہو اے ہم سفران رہ عدم — میرا تو ہر طرح سے سرانجام ہو گیا
کیوں کر شفا نہ ہو دل بیمار کو فغاں — بیمار اشک چشم روغن بادام ہو گیا

ایک جگہ صوفیانہ مضمون بھی ہے، مثلاً

ایک دن شیخ و برہمن سے فغاں کہتا تھا — کعبہ و دیر کی تم کرتے ہو تکرار عبث
خوب دیکھا تو مرے رشتۂ الفت کے حضور — تیری تسبیح غلط ہے تیرا زنار عبث

رباعیات فغاں کی رباعیات میں بھی وہی عاشقانہ مضامین ہیں جو ان کے جذبات کی پختگی اور قادر الکلامی کی واضح مثالیں ہیں، ان میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں،

ہم وہ نہیں جو وصل میں سوتے رہتے — مژگاں میں در اشک پروتے رہتے
بے خندۂ یار کیا ہے گریہ میں مزا — ہنستا رہتا تو ہم بھی روتے رہتے

اے دل آرام تجھ کو ہونا معلوم — درد شب ہجر جی سے کھونا معلوم
اس چشم سے خواب کی توقع مت رکھ — رونا تو نصیب میں ہے سونا معلوم

فغاں اور ان کے معاصرین اوپر کی سطروں میں ہم نے فغاں کی شاعری کی توصیف اس لئے نہیں کی ہے کہ ہم کو ان کا دیوان ناظرین کے سامنے پیش کرنا ہے، بلکہ یہ محض ان کے کمال کا اعتراف ہے جس کی داد فغاں کے معاصرین اور بعد کے ناقدین نے دل کھول کر دی ہے میر سے خراج تحسین حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، یقین جیسے" باکمال شاعر" کے بارے میں میر لکھتے ہیں؛

"بعد از ملاقات ایں قدر خود معلوم شد کہ ذائقۂ شعر فہمی مطلق ندارد"
جمعے بر ایں اتفاق دارند کہ شاعری او خالص از نقص نیست"[1]

لیکن فغاں کے ذکر میں رقم طراز ہیں کہ
"بسیار جوان قابل و ہنگامہ آرا، شعر ریختہ را بخوبی می گوید گاہے فکر
غزل فارسی ہم می کنند"[2]

فغاں کے مندرجہ ذیل دو شعر میر صاحب کو بہت پسند آئے ہیں[3]

ساقی نہیں یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا	دل دیکھتے ہی ابر کے ناچار بھر آیا
آوارہ پریشاں و شکستہ دل و بدنام	سنتے تھے فغاں جس کو آج ہی نظر آیا

میر کا فغاں کو پسند کرنا ایک لحاظ سے فطری تھا، کیونکہ بعض جگہ ظاہری اور معنوی حیثیت سے فغاں کا کلام میر سے بالکل ملتا جلتا ہے، مثلاً

رونا جہاں تلک تھا میری جان رو چکا	مطلق نہیں ہے چشم میں نم کا اثر کہیں
باور اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے	آنسو کہیں ڈھلک گیے لخت جگر کہیں

بہار آئی میرے پانوں میں پھر زنجیر پڑتی ہے	مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں
لب خنداں کو میری دیکھ کیا شاداں کوئی ہووے	میں ہنس ہنس غم کو گل کی روش برباد کرتا ہوں

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں	خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کی وصال و ہجر میں یوں ہی گذر گئی	دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

---

[1] نکات الشعرا ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۰ [3] نکات الشعرا ص ۰ پیش نظر دیوان میں یہ دو شعر اس طرح درج ہیں،

مے واسطے ساقی نہیں آپ چشم تر آیا	دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
حیران و پریشان و دل افگار و دیا چاک	سنتے تھے فغاں کو سو وہ آج ہی نظر آیا

عالم کو بحر خوں میں یہ قاتل ڈبو سکا — لیکن مرے لہو کو نہ دامن سے دھو سکا
پہنچا گئے مجھے ترے در تک یہ سیل اشک — اتنا تو ہو سکا کہ میری جان رو سکا

مندرجہ بالا اشعار میں میر کی زبان اور سوز و گداز کا کتنا صحیح مرقع ہے،
مرزا سودا بھی فغاں کے بہت ہی معتقد تھے، مجموعہ نغز میں ہے کہ
"مرزا محمد رفیع سودا بسیار ستائش دیوانش کرد"
فغاں نے اپنے ساتھ سودا کی عقیدت مندی کا اعتراف خود کیا ہے،

فغاں کون اب خریدار سخن تھا — اگر یہ حضرت سودا نہ ہوتا

سودا نے اپنے جوش عقیدت میں فغاں کے قطعات پر قطعات لکھے اور ایک ایک شعر پر لمبے لمبے قطعات لکھے ہیں، مثلاً فغاں کے ایک قطعہ کا ایک شعر ہے،

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا — تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی

اس پر سودا نے جو قطعہ لکھا ہے وہ گو ذرا طویل ہے لیکن دلچسپ ہے اس لئے
ہدیہ ناظرین ہے،

سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے — جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر ہوئی
سن لے فغاں جہاں میں عاشق جو ہو گیا — معشوق سے ایسے روش اس کی گذر گئی
شیریں نے جور کب نہ کیا کوہ کن کے ساتھ — مجنوں پہ کیا جفا تھا کہ لیلےٰ نہ کر گئی
گل ہی پڑے سسکتے تھے بلبل چمن کے بیچ — ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی
پروانہ رات شمع سے اتنی جلی کہ صبح — خاکستر اس کی لے کے صبا دوش پر گئی
یں تازہ کچھ کیا ہے کہ بدنامی کو مرے — آوازہ آہ و نالہ ترے گھر بہ گھر گئی
حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری — رونے سے تیرے آبروئے ابر تر گئی
ہوئے تیرے سر کے ہیں دیوار و گھر کی سرخ — آنکھوں سے موج خون کی بیرون در گئی
ل کو ترے نہیں ہے اگر تاب درد ہجر — تو کار عشق سے تو مرے لال کر گئی

القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے کہا کہ خیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی

شیریں کی ایک میں نہ رکھوں ورنہ بارہا
لیلےٰ جدھر تھی وادی مجنوں ادھر گئی

یاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا
اس اتحاد سے انھیں باہم بسر گئی

جاری ہوا تھا خوں رگ مجنوں سے وقت فصد
لیلےٰ کے پوست بال اگر نیشتر گئی

ظالم کرے گا رنگ گل کا گریباں ہوا ہی چاک
اک عندلیب گر اجل اپنے سے مر گئی

پروانہ کو نسا نہ جلا شام کو شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی

یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے مجھ کو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت کدھر گئی

میرے لہو سے میری در و دیوار گھر کی سرخ
میری ہی موج خوں میری بیرون در گئی

شکوا تو کیوں کرے ہی مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی

فغاں کا ایک دوسرا قطعہ ہی'

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں
یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا

تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو
کیوں کر پڑی تھی نیند تجھے کیوں کہ سو سکا

اسی کی تقلید میں سودا نے بھی ایک قطعہ لکھا ہی'

اے دیدۂ خانماں تو ہمارا ڈبو سکا
لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا

تجھ حسن نے دیا نہ کبھی دو جہین
فتنہ نہ تیرے دور میں پھر نیند سو سکا

جوں شمع تن ہوا شب ہجراں میں صرف اشک
پر جس قدر میں چاہی تھا اتنا نہ رو سکا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہی عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

فغاں کی ایک غزل کا مطلع یہ ہی:

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں
لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

اس پر بھی سودا نے ایک قطعہ لکھا ہی،

نامہ لکھا تھا یار کو میں یہ سمجھ کے ہی — عالم میں رسم نامہ و پیغام ہر کہیں
لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار — نکتہ ہو اس میں حرف تمنا سے گر کہیں
واں لاکے مجھ کو ماریے گردن کہ جس جگہ — پانی کے قطرے کا بھی نہ ہووے اثر کہیں
ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو — آتا ہی ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں
اڑتا پھرے ہی نامہ گلی میں کسی طرف — دھڑ سے جدا پڑا ہی سر نامہ بر کہیں
وقتیکہ دلبران جہاں کا ہو یہ سلوک — پھر دل کو دوں کہو تو کس امید پر کہیں

کہیں کہیں تو سودا کے بعض اشعار فغاں سے بالکل ملتے جلتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہی کہ دونوں نے ایک ہی جذبات سے متاثر ہو کر کہا ہی، بات یہ تھی کہ سودا کو فغاں کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی تھی، اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور بہت تعریف کیا کرتے تھے ایسی حالت میں ان کے بعض اشعار کے مضامین فغاں سے مل گئے ہیں تو کیا تعجب ہی۔

فغاں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہی
کیا اوڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں
ایذا فغاں کے حق میں یہاں تک روا نہ رکھ
ظالم یہ کیا ستم ہی خدا سے تو ڈر کہیں
نے دادخواہ ہوں نہ گریباں دریدہ ہوں
خستہ جگر ہوں چاشنی غم چشیدہ ہوں
اے فغاں درد دل سنوں کب تک
اڑ گئی نیند اس فسانے سے

سودا

میری طرف سے دیجیو صبا گل کو یہ پیام
آؤں قفس بھی توڑ کے پر بال و پر نہیں
کیوں مجھ سے بے گناہ کو ناحق کرے ہی قتل
اے یار تیرے دل میں خدا کا بھی ڈر نہیں
نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں
سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ میں

فغاں کی تقلید میں سودا کا قطعات اور غزلیں کہنا ان کے باکمال شاعر ہونے کی بین دلیل ہے محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ "فغاں کے باکمال شاعر ہونے کی اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی کہ مرزا رفیع جیسے صاحب کمال، اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور بہت تعریف کیا کرتے تھے، حقیقت میں مرزا کا خود بھی یہی انداز تھا، کیونکہ ان کے کلام میں بھی ہندی کے محاورے نے فارسیت کے ساتھ نئے لطف کے ساتھ پختگی پائی اور ہر خیال کو لطافت اور چوچلے کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔" مولانا عبدالسلام ندوی بھی رقم طراز ہیں کہ "فغاں شاعرانہ حیثیت سے میر اور سودا کے ہم پلہ وہم مرتبہ تھے۔"

گر میر اور سودا کی مختلف حیثیت سے اردو شاعری میں جو جگہ ہے، اس لحاظ سے فغاں کو ان کا ہم پلہ وہم مرتبہ کہنا ذرا مشکل ہے، یہ دونوں اساتذہ سخن اپنی ندرت خیال، طرز بیان اور قدرت زبان کے لحاظ سے اپنا جواب نہ رکھتے تھے فغاں کے یہاں نہ میر کا سوز وگداز ہے اور نہ سودا کا جوش وخروش ان کے یہاں صرف زبان ہے اور زبان میں شگفتگی، ہمواری اور موسیقیت ہے اور شاید اپنی زبان کی شگفتگی کی خاطر انھوں نے غزلوں میں شگفتہ طرحوں کے سوا کوئی اور طرح اختیار نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شروع سے آخر تک یک رنگی، ہمواری اور توازن ہے،

البتہ اس حیثیت سے فغاں کو میر اور سودا کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے کہ میر کی غزلوں پر اس اعتراض کا کہ "پستش بغایت پست و بلندش بغایت بلند" آج تک کوئی جواب نہ ہوسکا۔ سودا بھی اس الزام سے بری نہیں ہیں لیکن استاذی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ "اس اعتراض سے صرف خواجہ میر درد اور فغاں کا کلام بالکل محفوظ ہے۔" اس رائے کی تائید

پیش نظر دیوان سے حرف بحرف ہوتی ہی، جس کی مثالیں دینا ضروری نہیں ہی، چند غزلوں کو چھوڑ کر ناظرین شروع سے آخر تک دیوان میں توازن اور یک رنگی پائیں گے،

فغاں ریختہ گو جہاں میں بہت ہیں — کوئی تجھ سا دنیا میں پیدا نہ ہوگا

میر و مرزا کے علاوہ فغاں کے معاصر شیخ محمد قیام الدین قائم نے بھی ان کی سخن سنجی کی تعریف کی ہی،

سلیقہ سخن سنجی درست دارد، چناں چہ از سیاق وسباق کلامش پیدا است[1] "

میر قدرت اللہ قاسم (۱۲۴۶ھ - ۱۱۶۶ھ) جنھوں نے فغاں کا زمانہ دیکھا تھا اپنے مجموعہ نغز میں رقم طراز ہیں،

"شعرش پختگی تام دارد، سرآمد سخن سنجان فصاحت امامرزا محمد رفیع سودا بسیار ستائش دیوانش می کرد[2] "

گلزار ابراہیم کا مصنف اپنے تذکرہ (نوشتہ ۱۱۹۸ھ) میں فغاں کو "شیریں کلام" لکھ کر کہتا ہی کہ "نظم ریختہ میں طبیعت ان کی رسا ہی[3] "

مصحفی (۱۲۴۰ھ - ۱۱۵۶ھ) لکھتے ہیں "شعر را بہ صفائی تمام می گوید[4] "

تلامذۂ فغاں

مختلف تذکروں میں فغاں کے شاگردوں کے صرف ایک دو نام ملتے ہیں۔ ان میں میر وارث علی نالاں کے متعلق سخن شعرا مولفہ عبد الغفور نساخ میں ہی:

---

[1] مخزن نکات ص ۲۴ [2] مجموعہ نغز حصہ دوم ص ۲۷ [3] گلشن ہند ص ۱۴۳ [4] تذکرہ ہندی ص ۱۶۰

"نالاں تخلص میر وارث علی ولد میر ارزانی، باشندۂ بہار یعنی بہار شریف، شاگرد اشرف خاں فغاں صاحب دیوان" (ص ۵۰)

اس کے بعد نالاں کے حسب ذیل دو شعر منقول ہیں:

یک بیک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا

لوگ حیران ہوئے یہ چاند کدھر سے نکلا

چین سے بیٹھنے کہیں نہ دیا مجھ کو میری ہی بدگمانی نے

گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو) میں نالاں کے متعلق حسب ذیل معلومات ہیں:

نالاں عظیم آبادی میر وارث علی خلف میر ارزانی، موطنش قصبۂ بہار است اما سکنے در عظیم آباد اختیار کردہ بسر داری شیشہ گراں اعتبار دارد، جوان سنجیدہ اطوار از تربیت یافتگان مرزا اشرف علی فغاں ست، الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و پنج ہجری درہمان بلدہ بسر می برد" (ص ۲۴۵)

نساخ نے سخن شعرا میں نذر علی خاں گماں کو بھی فغاں کا شاگرد بتایا ہے:

"گماں تخلص نظر علی خاں دہلوی، شاگرد اشرف علی فغاں مقیم فیض آباد (ص ۴۰۳)

مگر تذکرۂ میر حسن اور گلزار ابراہیم گماں کا ذکر فغاں کے دوستوں میں کیا گیا ہے گلزار ابراہیم میں ہے،

"گماں دہلوی، نظر علی خاں از دوستان اشرف علی فغاں ست دریں زماں کہ عہد شاہ عالم بادشاہ ست شنیدہ شد کہ در فیض آباد بسر می برد" (ص ۲۰۷)

تذکرۂ میر حسن میں ہے:

شاعر شیریں بیاں میاں نادر علی خاں المتخلص بہ گماں مرد یست سپاہی پیشہ از یاران کوکہ خاں فغاں اصلش از شاہ جہاں آباد است مرثیہ و منقبت و غزل ہمہ می گوید نکر خوبی دارد روزگار موافق زمانہ موافق است در فیض آباد بسر می برد از بسکہ مشتاق است درد ائی طبع دارد کلامش خالی از اثر نیست خدایش بسلامت دارد۔"

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ۲۶ اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ہم اپنے ناظرین کے لئے بھی پیش کرتے ہیں:

فصلِ گل سے بھر ہوا اب گرم بازارِ چمن
مشت پر لے کر ہوئی بلبل خریدارِ چمن

مدت سے ہو رہا تھا مرا داغ داغ دل
اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

جستجو جس کی میں کرتا تھا خدائی کے بیچ!
دل ہی میں اس کا مکان تھا مجھے معلوم نہ تھا

قتل کر مجھ کو مری نعش پہ بولا قاتل
ہائے یارو یہ گماں تھا بے مجھے معلوم نہ تھا

جس دم تو مجھ سے آ کے ہم آغوش ہو گیا | غم دو جہاں کا دل سے فراموش ہو گیا

واسطے جس کے سبھی مجھ کو برا کہتے ہیں | وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

موجودہ دور کے ارباب کمال نے بھی فغاں

موجودہ دور میں فغاں کی تحسین

کی قدردانی کم نہیں کی، شیخ محمد ابراہیم ذوق نے فغاں کے دیوان کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ محمد حسین آزاد نے جب اس دیوان کو پڑھا تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں، چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ فغاں کی زبان اسی زمانہ کی زبان ہے، مگر فن شاعری کے اعتبار سے نہایت با اصول اور برجستہ تھے اور الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے ...... ان کی طبیعت ایشیا کی شاعری کے لئے نہایت موزوں تھی[۱]۔ مولانا عبدالحی نے فغاں کو "شعر و سخن کا ماہر" کہا ہے[۲]، نواب علی حسن خاں صبح گلشن میں رقم طراز ہیں کہ "بدقایق و نکات شعر و شاعری فارسی و اردو بخوبی آگاہ[۳]"، استاذی مولانا عبدالسلام ندوی مصنف شعرالہند نے تو ان کو میر اور سودا کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ قرار دیا ہے[۴]۔

فغاں کی گمنامی کا سبب

مگر افسوس ہے کہ ایسے باکمال استاد کے دیوان سے اب تک ارباب ذوق ناآشنا رہے اور فغاں اتنے مشہور نہ ہو سکے جتنے کے وہ مستحق تھے، مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ کا خیال ہے کہ فغاں اگر مرشد آباد اور عظیم آباد کے بجائے دہلی یا لکھنؤ ہی میں مقیم رہتے تو ان کو وہی شہرت حاصل ہوتی جو میر کو تھی، وہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت مرشد آباد اور عظیم آباد بھی اگرچہ شاعری کے مرکز ہو گئے تھے، تاہم شہرت کے جو اسباب لکھنؤ میں جمع ہو گئے تھے وہ ان مقامات میں کہاں میسر آ سکتے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر شہرت کے جو سامان میر وغیرہ کو حاصل ہوئے اس سے اشرف علی خاں محروم ہو گئے"۔

فغاں کے مشہور نہ ہونے کی وجہ تو یہ ہو سکتی ہے لیکن ان کا دیوان اب تک طباعت اور اشاعت سے محروم رہا، حالانکہ ہر دور کے معمولی معمولی شعراء کے دواوین شائع ہو چکے ہیں ان کے دیوان کے نہ طبع ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آجکل

---

[۱] آبحیات ص ۱۱۴ [۲] گل رعنا ص ۱۱۳ [۳] صبح گلشن [۴] معارف نمبر ۴ جلد ۹

یہ بہت ہی کمیاب ہی ۱۹۲۳ء میں کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ (صوبہ بہار) کے ناظم جناب سید ابو الکمال عبد الحکیم صاحب نے اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ استاذی مولانا عبد السلام صاحب ندوی (دار المصنفین اعظم گڈھ) کے پاس بھیجا۔ مولانا موصوف نے معارف اپریل ۲۲ء میں اس نسخہ پر ایک مختصر لیکن جامع تبصرہ تحریر فرمایا اور آخر میں لکھا کہ "یہ بہترین یادگار اس قابل ہو کہ اس کو نہایت محنت کے ساتھ اڈٹ کر کے عام طور پر شائع کیا جائے" لیکن افسوس اب تک اس کی نوبت نہ آئی شاید یہ سعادت راقم سطور کے لئے مقدر رکھی تھی ۳۰ء میں راقم حروف نے کتب خانہ الاصلاح دلیسنہ سے دیوان کے نسخہ مذکور کو حاصل کر کے اس پر اپنی محدود لیاقت و صلاحیت کے مطابق ایک مفصل مقدمہ لکھنے کی کوشش کی جو اس وقت ناظرین کے زیر مطالعہ ہی، جب یہ مقدمہ تمام ہوا تو اس کو بطور استفادہ اردو زبان کے سب سے زیادہ بلند پایہ ناقد اور وسیع النظر ادیب یعنی مکرمی ڈاکٹر عبد الحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کی خدمت میں ارسال کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مقدمہ پڑھ کر پسند کیا اور اپنے ایک نوازش نامہ میں ازراہ لطف وکرم اس مقدمہ کو فغاں کے دیوان کے ساتھ اپنی انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کرنے کا وعدہ فرما کر میری ہمت افزائی کی، لیکن دیوان فغاں کا صرف ایک ہی نسخہ میرے پاس تھا، اس لئے ڈاکٹر صاحب زاد لطفہ' نے اس کے اور نسخے بھی فراہم کرنے کی امیدیں دلائیں، لیکن ۳۰ء سے ۴۲ء تک ڈاکٹر صاحب قبلہ کو کوئی اور نسخہ کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکا راقم السطور نے بھی اپنی معلومات کی بنا پر متعدد جگہ خطوط لکھے لیکن ہر جگہ سے مایوسی ہوئی، بالآخر ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے ایک عنایت نامہ مورخہ ۲۷ فروری ۴۲ء میں مجھ کو ارقام فرمایا کہ دیوان فغاں کا مزید نسخہ کہیں نہیں ملا جو ہے اسی کو چھاپ دینا چاہیے مگر خلاف توقع فوراً ہی خبر ملی کہ پنجاب یونیورسٹی میں دیوان فغاں

کے دو نسخے موجود ہیں بالاخر پنجاب یونیورسٹی سے خط و کتابت کر کے دونوں نسخے یکے بعد دیگرے باضابطہ حاصل کئے جس میں کافی دیر لگی۔

پنجاب یونیورسٹی کا ایک نسخہ تو کتب خانہ الاصلاح دیسنہ (پٹنہ) سے بالکل مشابہ ہے، دونوں میں کہیں کہیں جو اختلاف ہے اس کا ذکر دیوان کے مطبوعہ اڈیشن کے حواشی میں کر دیا گیا ہے، دونوں میں ایک ہی کاتب کا خط معلوم ہوتا ہے کتب خانہ الاصلاح دیسنہ کے نسخہ میں کاتب کا نام نہیں مگر پنجاب یونیورسٹی کے مذکورہ نسخہ میں کاتب کا نام آخر میں سلطان علی مرقوم ہے، کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے ابتدائی ورق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ایک انگریز کرامت جنگ جمیس ولیم کلکٹر گورکھپور نے اپنے کسی اہلکار کو تحفتہً دیا تھا، پھر اتفاقاً یہ بشیر الحق صاحب بیدل ساکن دیسنہ ضلع پٹنہ (فی الحال پنشن یافتہ سب انسپکٹر آف پولیس) کے ہاتھ آیا جن کو اردو ادب سے گہرا ذوق اور کتابوں کے جمع کرنے کا غیر معمولی شوق ہے انھوں نے اس نسخہ کو اپنے محبوب وطن کے کتب خانہ کی نذر کیا، اس نسخہ میں فارسی کلام کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے

"ہذا اختتمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی المتخلص بہ فغاں مخاطب بخطاب ظریف الملک کوکہ خان بہادر سلمہ اللہ والرحمان مالکہ"

اردو کلام کے آخر میں بھی یہی عبارت صرف چند الفاظ کے اضافہ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے

"ہذا اختتمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں مخاطب بخطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان مالکہ"

پنجاب یونیورسٹی کے مذکورہ نسخہ میں بھی دونوں جگہ یہ عبارتیں درج ہیں دونوں نسخوں میں دیوان کا خاتمہ کاتب کی ہجو پر ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے،

یہ جو میرا ہی راقم دیوان	تحفہ نسخے کا بھولا بھالا ہی
کچھ نہ سیکھا غلط نویسی بن	ہوش جس روز سے سنبھالا ہی
ہائے میوز سے وہ لکھے ہو خفا	آپ کا رسم خط نرالا ہی
قاتل طبع زاد ہی ظالم	میں نے دشمن بغل میں پالا ہی
زندگی ہی میری سخن جس کو	سہو کاتب نے مار ڈالا ہی

یہ قطعہ اس بات کی دلیل ہی کہ فغاں نے اپنے دیوان کی کتابت اپنی زندگی ہی میں کرائی اور پیش نظر دونوں نسخے شاید اسی نسخہ کی ہو بہو نقل ہوں ان نسخوں میں فغاں کے جو اذکار سخن ہیں وہ شاید ان کے منتخب کردہ ہیں۔ ان دونوں نسخوں میں شروع میں ۲۶ ورق یعنی ۵۲ صفحے فارسی غزلیں اور ایک ہجو ہی اس کے بعد اردو کلام ہی، راقم الحروف نے فغاں کے اردو کلام کی اہمیت کے خیال سے زیر نظر مطبوعہ نسخہ میں اردو کلام کو مقدم اور فارسی کلام کو موخر کر دیا ہی دونوں نسخوں میں اردو کلام کے مجموعہ میں غزلوں کے علاوہ شروع میں تین قصیدے ہیں جو جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام علی موسیٰ رضا کی مدح و منقبت میں لکھے گئے ہیں، غزلوں کے ساتھ جا بجا قطعات ہیں آخر میں چند رباعیاں متفرق اشعار، مخمس اور ہجویں ہیں۔ اردو کلام ۷۳ ورق یعنی ۱۴۶ صفحے پر پھیلا ہوا ہی محمد حسین آزاد نے شیخ ابراہیم ذوق کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو دیوان فغاں دیکھا تھا وہ صرف غزلوں کا مجموعہ اور حجم میں دیوان درد سے بڑا تھا، لیکن دیوان فغاں کے جو نسخے اس وقت پیش نظر ہیں وہ درد کے دیوان سے زیادہ ضخیم ہیں اور ان میں غزلوں کے علاوہ اور بھی اصناف سخن ہیں،

پنجاب یونیورسٹی کا جو دوسرا نسخہ دستیاب ہوا وہ دراصل خان بہادر محمد شفیع کی ملکیت ہی، یہ نسخہ خوش خط تو ضرور ہی مگر بے حد غلط ہی ۲۴ ورق یعنی ۴۸ صفحے پر

فغاں کی غزلیں لکھی ہیں، اس کا کاتب مذکورۂ بالا دونوں نسخوں کے کاتب سے جدا معلوم ہوتا ہے۔ آخر میں "مالک کتاب خدا بخش خواجہ لاہور" درج ہے اس نسخہ کی حسب ذیل غزلیں اور غزلوں کے کچھ اشعار مذکورۂ بالا دونوں نسخوں میں نہیں ہیں

رات کو بزم میں جو غیر ترے بار رہا — یہ فغاں سر کو پٹکتا پس دیوار رہا
نہ اٹھا پردۂ غفلت نہ تجلی دیکھی — دل میرا منتظر جلوۂ دیدار رہا

تیری زلفوں سے جی نے پیچ کھایا — الٹ میرا کلیجا منہ کو آیا
لکھا تھا میں نے خط خط کی خبر سن — یہ قاصد تو جواب صاف لایا
جفا ہوتے ہیں کیا بدلے وفا کے — غرض جیسا کیا ویسا ہی پایا

لے اشک چشم شیشۂ مے میں ملا دیا — ساقی نے مجھ کو زہر کا پیالہ پلا دیا
دریتیم تھا میرا ہر قطرۂ سرشک — آنکھوں نے رو کے خاک میں ان کو ملا دیا
مجھ خانماں خراب کا دریا میں شور سن — آخر حباب نے بھی گھر اپنا بہا دیا
جز اشک و آہ سوختہ کے عاشقی کے بیچ — تینے ہمیں بتا تو فلک اور کیا دیا
جراح داغ دل ہے میرا تشنۂ نمک — تینے دیوانے کا ہمکو مرہم لگا دیا
گرم اس قدر کئے میرے سینہ سے لگ نسیم — گلشن میں بلبلوں کا کلیجہ جلا دیا
رکھ خاک پر قدم میرے کہنا مسیح دم — دیکھو فغاں کو گور میں میں نے جلا دیا

ہر حرف سیتی اس کے ہی مشق ستم پیدا — جب خط کو تیرے دیکھا انشاد بہت رویا
مرتا ہے فغاں یارو اس شوخ سے جا کہیو — احوال جب آ دیکھا بیداد بہت رویا

تجھ کون مجبور ہو لے یار خدا کون سونپا   اب تو ویسے کا ہی کو نا چار خدا کون سونپا
صبح ... نے ہی سنا سینہ سے یہ ہیں پیغام   تجھ کون آب دیدۂ خونبار خدا کون سونپا

طاقت نہیں فغاں کو جو دیکھے تیری طرف   ہو کر کتاں ہوا نہیں ہم چشم ماہ کا

خط جب تلک آوے نہیں قاصد کو نہ بھیجو   وہ شوخ تو سنتا نہیں پیغام کسی کا

مجھ سا گرفتہ دل بھی کبھو شاد ہووے گا   یہ خانماں خراب بھی آباد ہووے گا
اطوار کچھ برے نظر آتے ہیں یار کے   یہ رفتہ رفتہ دیکھیو جلاد ہووے گا
اس سال ہم قفس سے آزاد ہو گئے   مجھ پہ مہربان کیوں صیاد ہووے گا

نت فرقت میں دکھلا فغاں گر چاک دل تھا   گریبان صبح کا . . . . . .

حیف بد ظن تجھ سے ایمان نہ ہوا   ہائے کافر تو مسلمان نہ ہوا
دست بد ہی ہی ناصح تیرا   پھر کہیں چاک گریبان نہ ہوا
اے فغاں عشق کے یہ معنے ہیں   تو کسی حال ہیں نالاں نہ ہوا

اتنا خفا تو مجھ سے میرے یار کیوں ہوا   ناحق فغاں کے نام سے بیزار کیوں ہوا
بس آرزو ہے یار میرا جی نکل گیا   پوچھا کبھو نہ تو نے کہ بیمار کیوں ہوا
. . . .   تیری گلی میں جا کے فغاں خوار کیوں ہوا

تجھ کون روزی ہو میری دعائیں لینا   مجھ کون ہر شب تیری زلفوں کی بلائیں لینا

چشم مردم میں سبک کرتا ہی روکھا بولنا ‏ ‏ بوجھ ہو دل میں تو میزان نظر سے تولنا

ہم نے تیرے فراق کو جی دیا تو کیا ‏ ‏ ایسا ہوا تو کیا ہوا ایسا جیا تو کیا

نہ وا ہوا نہ میرے دل کو باغ باغ کیا ‏ ‏ یہ وہ ہیں جن نے کلیجے کو ن داغ داغ کیا

یہ ستم کوئی سہہ نہیں سکتا ‏ ‏ کیا کروں دل تو رہ نہیں سکتا

رفتہ رفتہ ہو گیا دیوانہ الفت خراب ‏ ‏ جو نہ دیکھا تھا سو دیکھا خانۂ الفت خراب

آج پھرتا ہی فغاں تنہا نہ مانا شہر میں ‏ ‏ کیا نہیں لیتے ہیں لڑکے اس دیوانہ کی خبر

کرتا ہی داغ سوزش خون جگر مدد کر ‏ ‏ جلتا ہی دل ہمارا اے چشم تر مدد کر

اب کھل کے شب کے اندر رہتی ہی یاد مجھ کو ‏ ‏ ہوتے ہی شام غم پھر تو اے سحر مدد کر

اے آہ اشک میرے جلنے سے رہ گئے ہیں ‏ ‏ یہ قافلہ رکا ہی تو ہم سفر مدد کر

سرگذشت اس دل کی پوچھے اگر دیوان حشر ‏ ‏ دفتر دل پر میرے بیک آئیگا میدان حشر

تغیر نہیں . . . . . . اب تلک ‏ ‏ بلبل تو ہی چمن میں خوش آہنگ اب تلک

غنچے کھلے چمن کے ہوئے شاد عندلیب ‏ ‏ کھلتا نہیں تیرا دہن تنگ اب تلک

کیا شور مچ رہا ہی فغاں کے مزار پر ‏ ‏ سوئے کو مارتے ہیں ایسے جنگ اب تلک

جب سے دل نگر... کا یار کہلایا ہے دل　　چشم میں ..... کی خار کہلایا ہے دل
کیوں کر خاطر میں لے آؤں ہم مفلس کے تئیں　　سم تن سے دل کے اب .... کہلایا ہے دل
اس پرستش میں تباہی حق پرستی چھوڑ کر　　پھر... صاحب زنار کہلایا ہے دل
پھنس گیا ہے اے فغاں اب تو نکل سکتا نہیں　　پیچ میں زلفوں کی اب لاچار کہلایا ہے دل

پایا نہ سوز عشق نے ہرگز فراغ دل　　جلتا رہے مدام بجائے چراغ دل
کالائے بد کا کون خریدار ہے فغاں　　کس طرح سے بکے گا میرا داغ داغ دل

نہ ملنے پر غرض ہرگز اسے حجاب نہیں　　کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہوں تو تاب نہیں
خراب دیکھ کہے گا میری خرابی کون　　ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

سبک ہوا ہے دل امیدوار آنکھوں میں　　غضب رچا ہے مژہ انتظار آنکھوں میں

نہ دل چمن میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں　　کوئی مکان بھی میرے لئے ہے دنیا میں
دنیا و دیں دل و جان تجھ پر لٹا چکا ہوں　　نام خدا رہا کیا سب کچھ لٹا چکا ہوں!

ظالم تیری گلی میں کیوں کر قدم رکھوں میں　　یہ خاک وہ ہے جسکو سر پہ اڑا چکا ہوں

غلط کہتا تھا میں اے جان ترک عشق کرتا ہوں　　جفا سے تو نہ گذرا وفا سے کب گذرتا ہوں

نہ فقط گل کے تئیں ہم ہیں گرفتار چمن!　　دل میں چبھتا ہے یہ خار سر دیوار چمن

جی نکل جاوے میرا کشمکش دام میں کاش
نہ گرفتار قفس ہوں نہ گرفتار چمن

قطرۂ خون ہی نہ نکلے گا تیرے . . .
چاک کر دیکھ لے قاتل تو میرے سینہ کون

یاروں نے سن لیا ہے اسیری کے نام کو
. . . . . . نہ قفس کو نہ دام کو

دیکھا تھا ایک دن میرے خورشید رو مجھے
آنکھیں مدام دیکھنی رہتی ہیں بام کو

دیکھے کہیں اب فغاں سا بلا کش پاویگا
آزاد کوئی کرتا ہے ایسے غلام کو

جنوں ہیں ہجر میں غیروں پہ مہربانی ہو
بھلا بتا تو میاں کیوں کہ زندگانی ہو

کہنا دل فغاں کی طرف سے جرس کے تئیں
محمل اگر ملے کہیں فریاد کیجیو

ہیں راز دل کہا ہے تو افشا نہ کیجیو
اس خانماں خراب کو رسوا نہ کیجیو

ناصح تو سے کہا . . . . . .
. . . کاوش بے جا نہ کیجیو!

سب سے ملے ہم سے جدا اے واہ واہ اے واہ واہ

اچھے وفا کے آشنا اے واہ واہ اے واہ واہ

کہتا ہوں بوسہ دے مجھے اس کے عوض تو جان لے

کہتا ہے کیا سودا ہوا اے واہ واہ اے واہ واہ

آتا ہے وہ گلگوں بدن ہے لال پاؤں سے وہیں

کیا آن ہے نام خدا اے واہ واہ اے واہ واہ

رہ رہ بہشت ہیں نے کہا . . . . طرف ہر گز نہ جا
کہنے لگا مجھ کون ہی کیا اے واہ واہ اے واہ واہ
اک بوسہ دے مجھ کو اری کہنے لگا چل جا پرے
اچھا غصہ اچھی ادا اے واہ واہ اے واہ واہ
شمشیر کھینچ اے خوش ادا کر دے فغاں کا سر جدا
قربان تیرے میرزا اے واہ واہ اے واہ واہ

زلفوں سے دل بندھا ہی تو کیوں کرتا شانہ — ظالم نہ تھم سکے گا جب کھل گیا دیوانہ

دل فغاں کہو کیوں کر نہ اضطراب کرے — نہ نامہ بر کی خبر نے جواب آیا ہی
خدائے عز وجل وہ بھی دن کبھو ہو گا — کوئی کہے تیرا قاصد شتاب آیا ہی

گذر جب سے کیا تیری گلی میں — گدائی کا تصور بندھ رہا ہی
صنم کہنے سے کب خوش ہی وہ کافر — خدائی کا تصور بندھ رہا ہی

نہ پوچھ مجھ سے کہ تیرے پہ کیا گذرتی ہی — خدا ہی جانے کہ مجھ دل پہ کیا گذرتی ہی
پھرا نہ راہ عدم سے کوئی کہ ہم پوچھیں — کہو مسافر منزل پہ کیا گذرتی ہی

جب کہ معاش یہ ہو کیوں کہ رہیں وہ جیتے — لخت جگر کو کھاتے خون جگر کو پیتے
چاک جگر یہی ہی مت جانیو گریبان — چھن جائے گا کلیجہ آخر کون ہاتھ سیتے

قاصد تو ناامید پھرا کوئے یار سے
خفت ہوئی مجھے دل امیدوار سے

زلف سیہ تیئں تو الجھتا ہی دل میرا
شانہ کو دشمنی ہی میرے تار تار سے

کل دیکھتا ہوں گیا کہ سر راہ ایک شخص
کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے

میں یہ دیا جواب کہ سنتا ہی اے عزیز
ہی دور مرتبہ میرا صبر و قرار سے

خانہ بخانہ یار کا کرتا پھروں گلہ
یہ تو بہت بعید ہی میرے شعار سے

میں وہ ہوں عندلیب کہ گلزار دہر میں
مجکون خلش نہ ایک سے ہی نہ ہزار سے

ایذاے باغبان گوارا ہوا اب مجھے
پایا ہی بس کہ لطف چمن میں بہار سے

شانہ گل کو دیکھ کے دل باغ باغ ہی
آنکھیں بھی میری لگ رہی ہیں نوک خار سے

اگر میری زباں پہ یار حرف انتظار آوے
ابھی رونے پہ ظالم دل تیرا بے اختیار آوے

وہ میرے قتل کو آیا تھا پھر کاہیکو آویگا
کہاں طالع میری ایسی کہ قاتل بار بار آوے

فغاں سن کر میری فریاد یوں کہتے ہیں ہمسایہ
ملے توں یار سے ظالم کہیں مجکون قرار آوے

ہمیں تو کون ہی جو مایل شراب کرے
عجب بہار کے دن ہیں خدا خراب کرے

قسم ہی دل ہی سمجھتا ہی اس کی لذت کو
تیرے ستم کو ستم ہی کوئی حساب کرے

. . . .

یہ ہیں مناسب نیکو سے اس شرابی کی
کہو فغاں سے شتابی فکر کباب کرے

دود دل تیری زلف تک پہونچی
آہ یہاں تک میری رسا نہ ہوئی

کون لے جاوے بوئے داغ جگر
میری پیغام بہ صبا نہ ہوئی

دل سوزاں کو کیا پسند کیا
دوسری بار پھر صدا نہ ہوئی

چشمِ خونخوار سے فغاں دیکھا / دلِ بیمار کو شفا نہ ہوئی

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے / تو بھی کہیں فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہمارے نفس کو تشہیر ہے ضرور / آیندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے
فکرِ معاش و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں / اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
عالم کے بیچ پھر نہ رہی رسمِ عاشقی / گر نیم لب کو بھی تیرے شکوہ سے وا کرے
گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خوبرو / زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
تعلیم گریہ دون میں گر ابرِ بہار کون / جز لختِ دل صدف میں نہ گوہر بہا کرے
تنہا نہ روزِ ہجر فغاں پر ہے یہ ستم / پروانہ سا وصال میں ہر شب جلا کرے

جان کھپے ہے اب سفر کا سن وہ میرا نامہ بر / آن ملے شتاب سے جلد پھرے خدا کرے
کوچۂ عشق میں فغاں جو کہ قدم رکھے یہاں / آہ کے تئیں عصا کرے اشک کو رہنما کرے

آتا ہوں تیرے در کے اوپر جب اے ماہ / کہتا ہے رقیبوں کو ندیو اس کو راہ
تو نہ رہ اور تیری یاد رہے دنیا میں / میں چاہتا ہوں ظالم بھلا اللہ اللہ

کرتیں کئی بار یاری یوں بھی گذری / . . . کیے آہ و زاری یوں بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا / یوں بھی گذری ہماری یوں بھی گذری

اس ناصح ناداں کو سمجھانے کو کیا کہیے / مجھ سوختہ دل کے تئیں جلوانیکو کیا کہیے
یہ آتشِ غم دونی بھڑکانے کو کیا کہیے / جز عشق صلاح اور آپ بتلانیکو کیا کہیے

یہ دل نہیں سمجھے گا   دیوانہ کو کیا کہیے

جینے پہ نہیں موقوف اس عشق کے کئی فن ہیں   دشمن کئی پھرتے ہیں کئی ساکن گلشن ہیں
قندیل فلک اوپر یہ شمع جو جلتے ہیں!   اس راہ ہماری کی شعلہ سیتے روشن ہیں
ہم جلتے ہیں کیا کم ہی پروانہ کو کیا کہیے

کچھ طور زمانہ کی الٹی ہی نظر آتی   . . . .
. . . .   یک دم کی خوشی میری گردوں کو نہیں بھاتی
قسمت ہی میری . . . پیمانہ کو کیا کہیے

کوئی نے میرا یہاں تک احوال کو پہنچایا   ساقی کے قدم اوپر سر میرے کو لگوایا
لیکن میری خاطر میں رہ رہ کے یہی آیا   آدم کے تئیں جن نے جنت سے نکلوایا
اے زاہد دیوانہ اس دانہ کو کیا کہیے

زاہد کے مریدوں کو کس وہم نے گھیرا ہی   . . . .
دانا نہیں گو اپنی تسبیح کا پھیرا ہی   ظاہر میں تو ہی روشن باطن میں اندھیرا ہی
مسجد میں تو یہ دیکھا بت خانہ کو کیا کہیے

جس وقت گذر یارو گلزار میں کرتا ہوں   بلبل کی فغاں سن کے صیاد سے ڈرتا ہوں
لخت جگر پر خون داماں میں بھرتا ہوں   پڑھ پڑھ کے یہی مصرع میں زار ہوں
گلشن میں تو یہ دیکھا ویرانہ کو کیا کہیے

اب چاک گریبان کر جا دشت میں دکھلاؤں   یا کوہ میں اب جا کر سر خوب سا ٹکراؤں
حیران ہوں فغاں دل کو کس طرح سے بہلاؤں   یہ دل تو نہ ٹھہرے گا کیا خاک میں سمجھاؤں
دانا تو سمجھتا ہی نادانہ کو کیا کہیے

کوئی بے وفائی میں تجھ سا نہ دیکھا   کوئی دلربائی میں تجھ سا نہ دیکھا

کوئی میرزائی میں تجھ سا نہ دیکھا   کوئی خود نمائی میں تجھ سا نہ دیکھا
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا

مندرجۂ بالا اشعار میں زیادہ تر اشعار ایسے ہیں، جن میں فغاں کے کلام کی خوبی، پختگی اور زبان کی روانی، سلاست اور گھلاوٹ نہیں جو ان کی شاعری کی امتیازی خصوصیت ہے، شاید ان اشعار کو فغاں نے اپنے معیار سے فروتر سمجھ کر رد کر دیا ہو اور اس لئے ان کو اپنے اس منتخب دیوان میں شامل کرنا پسند نہ کیا ہو جو ان کی زندگی ہی میں تیار ہوا، اسی گمان کی بنا پر راقم السطور نے ان اشعار کو اوپر نقل تو کر دیا ہے مگر ان کو اصلی دیوان کے ساتھ شائع کرنا احتیاط کے خلاف تصور کیا ہے، ان میں بعض اشعار تو مطلق پڑھے نہیں گئے اس لئے ناظرین کو جا بجا نقوط نظر آئیں گے،

فغاں کی غزلوں میں سے میر نے نکات الشعرا میں تین ابیات، قدرت اللہ قاسم نے مجموعۂ نغز میں پینتالیس، مصحفی نے "تذکرۂ ہندی" میں چھبتر، قائم نے مخزن نکات میں چودہ (اور ایک رباعی)، گردیزی نے "تذکرۂ ریختہ گویان" میں چار، شفیق نے چمنستان شعرا میں دس، میر حسن دہلوی نے "تذکرۂ شعرائے اردو" میں اکتالیس (علاوہ ہجو کے دو اشعار) مرزا علی لطف نے گلشن ہند میں بیس شیفتہ نے گلشن بیخار میں بارہ، ناسخ نے سخن شعرا میں سولہ، محمد حسین آزاد نے آب حیات میں اٹھائیس اور مولانا عبدالحی نے گل رعنا میں پندرہ اشعار نقل کئے ہیں، جن میں سوائے چند کے اور تمام اشعار پیش نظر مطبوعہ دیوان میں ہیں مذکورۂ بالا "تذکروں" کے جو چند ابیات دیوان میں نہیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں

مجموعۂ نغز۔

مجھ سا گرفتہ دل بھی کبھی شاد ہوئے گا   یہ خانماں خراب بھی آباد ہوئے گا

اس سال ہم قفس مرے آزاد ہو گئے
مجھ پر بھی مہربان کبھی صیاد ہوئے گا

جز اشک و آہ و سوختگی عاشقی کے بیچ
تو نے ہمیں بتا تو فلک اور کیا دیا

نہ کھولئے ترے بند قبا تو کیا کیجے
دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے
مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

تذکرۂ ہندی۔

نہ دل چمن میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں
کوئی مکان بھی میرے لیے ہے دنیا میں

نے ہمیں گل سے غرض ہے نہ تماشائے چمن
کیا اسیران قفس کے تئیں پروائے چمن

قاصد تو نا امید پھرا کوئے یار سے
خفت ہوئی مجھے دل امیدوار سے

کل دیکھتا ہوں کیا کہ سر راہ ایک شخص
کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے

میں نے دیا جواب کہ سنتا ہے اے عزیز
ہے دور مرتبہ مرے صبر و قرار سے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے
مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

نہ کھولئے ترے بند قبا تو کیا کیجے
دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجے

مصحفی نے "تذکرہ ہندی" میں فغاں کی ایک غزل کے چار اشعار نقل کیے ہیں جس کے قوافی و ردیف "دعا نہ دے" اور "خدا نہ دے" ہیں اس غزل کے حسب ذیل دو

اشعار پیش نظر دیوان میں نہیں ہیں،

قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہے دور | بسمل تو اپنے ہاتھ سے شرط دفا نہ دے
بے طرح جوشِ گل نے لگائی چمن میں آگ | ڈرتا ہوں آستانہ کو کافر جلا نہ دے

مخزن نکات ۔

یاروں نے سن لیا ہے اسیری کے نام کو | پہنچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو

چمنستان شعرا ۔ شفیق نے اس غزل میں سے جس کے قوافی و ردیف "زنداں کے بیچ" "آن کے بیچ" ہیں پانچ اشعار نقل کئے ہیں، جن میں حسب ذیل شعر دیوان میں نہیں، دیوان نہا میں اس غزل کے چھ اشعار ہیں۔

میرے دلدار کو جو خواب میں دیکھے یوسف | شرم سے ڈوب مرے چاہ زنخدان کے بیچ

تذکرہ شعرائے اردو ۔

زخم دل تو سیا نہیں جاتا | بن سئے بھی جیا نہیں جاتا
اے فغاں دیکھنا سمجھ لینا | دے کے دل پھر لیا نہیں جاتا

ملے ہے غیر سے ہرگز اسے حجاب نہیں | کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہوں تو تاب نہیں
خراب دیکھ کے گا مری خرابی کو | ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

ترے فراق میں کیوں کہ یہ دردناک جئے | مرے تو مر نہیں سکتا جئے تو خاک جئے

بغیر از دولی کے مانع دیدار کون ہے | وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے
بیم غضب رکھے ہے مجھے مغفرت سے دور | گر وہ کریم ہے تو گنہ گار کون ہے

جاگانہ کوئی خواب عدم سے کہ پوچھتے   آسودگان خاک میں بیدار کون ہی
میں مرگیا یہ آہ نہ پوچھا فغاں بجھے   درد جگر کسے ہی یہ بیمار کون ہی

اگر میری زباں پہ بار دیگر انتظار آوے   ابھی رونے پہ ظالم دل مرا بے اختیار آوے

ضعیف ہی دل بیمار اس قرینہ سے   اٹک کے آہ نکلتی ہی میرے سینہ سے

گلشن بیخار
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے   ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے   خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

نہ کھولے تری بند قبا تو کیا کیجے   دل گرفتہ کو ظالم کبھی تو وا کیجے

سخن شعرا ۔
قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے   خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

ضعیف ہی دل بیمار اس قرینے سے   اٹک کے آہ نکلتی ہی میرے سینے سے

ذکر کیوں غیر کا کرتے ہو فغاں کے آگے   انھیں باتوں سے یہ کم بخت خفا ہوتا ہی

دل میں اس شوخ کے ہو پاس وفا معلوم   کہنے سننے کے لئے بات بنا رکھا ہی
آب حیات ۔ آب حیات میں ۷ غزلوں کے ۴، ۸، ۴، ۶، ۳، ۶، ۲

اشعار علی الترتیب منقول ہیں، یہ تمام غزلیں قلمی نسخہ میں موجود ہیں فغاں کی غزلوں کے صرف مندرجۂ ذیل تین اشعار نہیں ہیں۔

بے فائدہ ہے آرزوئے سیم و زر فغاں | کس زندگی کے واسطے یہ دردسر فغاں

اتنا کہاں رفیق بصارت ہے چشم کی | دل بھی، دھر گیا مری جیدھر نظر گئی

کباب ہو گیا آخر کو کچھ برا نہ ہوا | عجب یہ دل ہے جلا تو بھی بے مزا نہ ہوا

دیوان کو مرتب کرتے وقت اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے کہ یوروپین مستشرقین کی بے جا تقلید میں غیر ضروری اور صبر آزما حواشی اور نوٹ لکھ کر اس کو دشوار نہ بنایا جائے، زیر نظر قلمی نسخہ کی کتابت میں بعض الفاظ کے املا غلط لکھے گئے ہیں، جو یقیناً کاتب کی بے توجہی اور لاپروائی کے نتائج ہیں مثلاً ایسے الفاظ جس کا املا یائے معروف سے ہونا چاہیے یائے مجہول سے لکھ دئے گئے ہیں، اسی طرح یائے مجہول کی جگہ یائے معروف مکتوب ہے مثلاً "سے" کو "سی" "کے" کو "کی" "نے" کو "نی" یا "کہنی" کو "کہتے" "کسی" کو "کسے" "تجھی" کو "تجھے" "بھی کو "بھے" لکھے گئے ہیں، اسی طرح حرف ساکن دو چشمی ھ کے ساتھ لکھنے کا التزام نہیں، ہ مختفی اور ھ دو چشمی میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ مثلاً "ہنسنا" کو "ھنسنا" "ہو" کو "ھو" "ہستی" کو "ھستی" "دہر" کو "دھر" "گہر" کو "گھر" "تھا" کو "تہا" لکھ دیے گئے ہیں۔ ہم نے دیوان نقل کرتے وقت ان کی تصحیح کر دی ہے، مگر ان پر حواشی لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ضرورت کے مطابق کہیں کہیں حواشی بھی لکھ دئے گئے ہیں، دیوان میں نون غنہ میں بالالتزام نقطے دئے

گئے ہیں، میں نے ان لفظوں کو بجنسہ قائم رکھا ہے،

یہ میرا دعویٰ ہرگز نہیں کہ میں نے اس دیوان کو غیر معمولی محنت سے مرتب کیا ہے، البتہ جو کچھ بھلا برا بن پڑا پیش کر دیا گیا ہے محض اس لئے کہ اردو زبان کا ایک بلند پایہ اور ممتاز شاعر گمنامی کے پردہ میں رہ کر کہیں ہمیشہ کے لئے نہ گم ہو جائے

آخر میں پھر صمیم قلب سے جناب ڈاکٹر عبد الحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی اردو ادب نوازی کی وجہ سے یہ دیوان زیور طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے، جو اب تک شائع نہ ہو سکا محترمی جناب خان بہادر محمد شفیع کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنھوں نے اپنا ذاتی نسخہ بھیج کر اس دیوان کی تیاری میں مدد فرمائی۔ اسی طرح پنجاب یونیورسٹی کے لائبریرین کا بھی ممنون ہوں کہ وہاں کے قلمی نسخہ کے مطالعہ کا موقع ملا آخر میں استاذی المحترم مولانا عبد السلام صاحب ندوی صاحب شعر الہند اور برادر محترم جناب شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کے بار احسان سے گراں بار ہوں کہ انھوں نے دیوان کے بعض بدخط اشعار کے پڑھنے اور سمجھنے میں پوری مدد کی اور اس دیوان کے مقدمہ کی تحریر کے وقت ان دونوں کے مشوروں سے برابر مستفید ہوتا رہا،

حقیر

سید صباح الدین عبد الرحمان ام۔ اے

۲۵ فروری ۱۹۴۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصائد

قصیدہ در منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

شادی و غم سے کہاں خالی ہے بزم روزگار — جام اگر ہنستا ہے تو روتا ہے مینا زار زار

کون سی راحت ہے جو بے رنج ہے دنیا کے بیچ — گل کے تئیں جب ہاتھ میں لیتے ہیں چبھتا ہے خار

دہر میں پایا ہے یہاں تک ناامیدی نے رواج — چاہیے عالم میں ناپیدا ہو چشم انتظار

سینہ صافی اس قدر معدوم ہے دنیا کے بیچ — چاہیے ہووے اب آئینہ کے دل میں بھی غبار

گوشہ گیری میں بھی اہل دل کے تئیں آرام نہیں — دیکھ لو جا کر صدف میں بھی ہے گوہر بےقرار

دیکھتے ہیں مردماں چشم حقارت سے مجھے — اٹھ گیا دنیا سے رونے کا یہاں تک اعتبار

اس گہر کی دہر میں ازبس خریداری نہیں — چاہیے آنسو کے تئیں پی جاوے چشم اشکبار

میں اگر ہستی کے اوپر نیستی کو دوں شرف — دیں مجھے دشنام[1] کھچ کر مردمان روزگار

حق بجانب ہے انھوں نے زیست میں پایا ہے لطف — مرگ تو معلوم یہ لیتے نہیں نام مزار

جو میری تحقیق میں آیا سو اب کرتا ہوں عرض — رائے تو ان کی غلط ہے یہ انھوں[2] کا ہے شعار

کب تمامی عمر بلبل کو رہا ہے وصل گل — گل نے یک ہفتہ سوا پایا چمن میں کب قرار

---

[1] پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ۔ کھچ کر دشنام [2] پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ۔ یہ انہوں کا

صبح کو مذکور تھا غنچہ کھلے دل وا ہوئے ۔۔۔ شام کو کہتے ہوئے پھرتے ہیں گلشن ہیں بکار

جا ہے حسرت ہی چمن تک غور کر اے عندلیب ۔۔۔ کیا ہوئے وہ گل کہ ہر جا تھی ترکی فصل بہار

غیر اون کے ہی مجھے جس شخص سے دلبستگی ۔۔۔ عرض ہی میری یہی خدمت میں اس کی بار بار

اس فراموشی کو کیا کہتے ہیں اے پیماں شکن ۔۔۔ اس تغافل کو بھلا کہتے ہیں کیا اے بد شعار

جو نہ دیکھا تھا سو دیکھا خانہ الفت خراب ۔۔۔ جو نہ سنتے تھے سنا تیرے لئے سنتا ہی یار

چشم میں مطلق بصارت کا اثر باقی نہیں ۔۔۔ وصل سے اب ہاتھ دھو بیٹھا دل امیدوار

امتحاں سے مرتبہ گذرا ہوا ہوں جائے رحم ۔۔۔ کب تلک ظلم و تعدی کب تلک صبر و قرار

یہ غزل پڑھتا پھرے ہی کوچہ و بازار میں ۔۔۔ خاک اڑا کر اپنے سر او پہ یہ تیرا خاکسار

جب تلک ہی تن میں دم الفت نہیں جانے کی یار ۔۔۔ بعد میرے خاک بھی ہو گی ترے در پہ نثار

ہم اسیروں نے نکالے ہیں قفس میں سال و ماہ ۔۔۔ کس کو کہتے ہیں خزاں اور کس کو کہتے ہیں بہار

مر گیا ہی اس تمنا میں دل آفت طلب ۔۔۔ شاد ہو دشمن رہی روتا ہمیشہ دوستدار

خاک پر ہم بیکسوں کے کون لاویگا چراغ ۔۔۔ اے دل سوزاں تو ہی ہونا میرا شمع مزار

مردمان چشم تو رو رو کے کہتے ہیں نعاں ۔۔۔ کیا دکھاوے گا ہمیں اس سے زیادہ انتظار

جب کہ ایسے بیوفا آئے نظر خوباں دہر ۔۔۔ کر چکا جنبا مجھے کرنا تھا عجز و انکسار

تب کہا میں دل سے کر کچھ فکر عقبیٰ اے عزیز ۔۔۔ کیوں نہیں ہوتا تو مداح شہ دلدل سوار

دل لگا کہنے خدا حافظ تجھے سودا ہوا ۔۔۔ کیا میری قدرت کروں وصف امیر نامدار

تیغ جس کی آبداری میں یہاں تک ہی کہ برق ۔۔۔ خوف سے اس کے رہی ہی چرخ اوپر بیقرار

دوست تو کہتے ہیں اس کو ناخن شیر خدا ۔۔۔ خاک پر اس کی عدو کے گر کسی کا ہو گذار

وہاں اسے پوچھے کہ کیسی تیغ تھی کرار کی ۔۔۔ کیسا مرکب تھا علی کا تھا وہ کیسا شہسوار

یہ صدا نکلی تب اس کی خاک سے کیا پوچھیے ۔۔۔ لافتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار

سلہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ "بدن"

قبضۂ قدرت کو اس کے کیا کشش کی احتیاج — دیکھتے ہی تیر کو صید حرم ہو جائے شکار
میں تو کہتا ہوں کماں کو اس کی محراب حرم — جس کی قوت سے ہوا اللہ اکبر آشکار
اس کا مرکب ہو سکے اس قدر دنیا کے بیچ — چرخ کھاتا ہی فلک اس حال پہ ہو کر نثار
عقل سے معلوم ہو تو ہو کہ جوں باد صبا — اس کی تیئں پھرتا نہیں دیکھا کسی نے زینہار
دیکھ تو حالت فغاں کی یا امیر المومنین — یہ تیرا مداح رہتا ہی نہایت بے قرار
تشنہ لب ہی تشنہ لب یا ساقی کوثر شتاب — سیر ہو تیرے تصدق سے دل امیدوار
گر تصور دل میں تیرے مشہد عالی کا وہ — روز و شب رو رو کے اس مطلع کو پڑھتا ہی پکار

بادۂ وحدت پلا دے کب تلک کھینچوں خمار
منتظر بانگ موذن کا ہی گوشش روزہ دار

قصیدہ دیگر در منقبت حضرت علی بن ابی طالب[1]

امام مسجد و منبر علی ابن ابی طالبؑ — ستون دین پیغمبرؐ علی ابن ابی طالب
تو ہی عالی تو ہی اعلیٰ تو ہی والی تو ہی والا — تو ہی بہتر تو ہی بہتر علی ابن ابی طالب
. . . . — عجائب کا تو ہی مظہر علی ابن ابی طالب
. . . . — تو ہی ہی دین کا دفتر علی ابن ابی طالب
. . . . — فغاں کہتا ہی یہ اکثر علی ابن ابی طالب[2]

---

[1] یہ منقبت "قصیدہ در مدح حضرت امام علی موسیٰ رضا علیہ التحیۃ والثناء" کے خاتمہ پر دیوان کے حاشیہ پر درج ہی، ترتیب کے خیال سے حضرت علی کی پہلی منقبت کے بعد اس کو یہاں پر نقل کیا گیا ہی۔

[2] دیسنہ لائبریری اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے دونوں نسخوں میں جلد بندی کی وجہ سے حاشیہ کٹ گیا ہی اس لئے آخری تین شعر کے پہلے مصرعے پڑھے نہیں جاتے۔

قصیدہ در مدح حضرت امام علی موسیٰ رضا علیہ التحیۃ و الثنا

ازل سے ہے دل آزاد کا یہ استدعا — کبھی نہ فکر فنا ہو کبھی نہ فکر بقا

مدام خاک اڑایا کرے بیاباں میں — کھلے رہیں میرے وحشت زدہ کے بند قبا

سو یہ فراغ کہاں بلکہ بیقراری ہے — کیا ہے گردش گردوں نے مثل قبلہ نما

ہوئی نصیب کہاں سے اسے گرفتاری — دل حزیں میرا آخر کے تئیں پھنسا ہی پھنسا

یہیں کہ رہا کہ نہ عاشق ہو بانہ آ کافر — خدا کے واسطے ٹک دیکھ حال دنیا کا

ہوئی ہے رسم محبت یہاں تلک معدوم — نہ عندلیب میں الفت رہی نہ گل میں وفا

چمن چمن جسے کہتے ہیں وہاں بھی خاک نہیں — کرے ہے نالۂ بلبل پہ زاغ استہزا

خدا اماں میں رکھے کیا برا زمانہ ہے — فلک اگر مجھے چھوڑے رہا کروں تنہا

سوائے فکر سخن اور کچھ نہ ذکر کروں — بغیر طرح غزل کچھ نہ میں کروں انشا

چنانچہ یہ غزل تازہ جس کو لکھتا ہوں — ہوئی ہے ورد زباں مجھ دل حزیں کے سدا

چمن میں کھینچ دم سرد یوں کہے ہے صبا — کوئی جہاں میں نہ ہووے کسی کا عقدہ کشا

ہمارے آبلۂ دل کے کب برابر ہو — اگر حباب کی صورت تمام ہو دریا

جلا غبار سے پاتا ہے روئے آئینہ — بجا ہے خاک ملیں منہ پہ اپنے اہل صفا

کیا ہے داغ بتاں نے یہاں تلک مجھ کو — برنگ سرو چراغاں جلوں ہوں سرتاپا

گدا تو پشم ہی جانے ہے تاج شاہی کو — ہمارے سر پہ نہ سایہ فگن ہو بال ہما

فغاں ضرور نہیں کچھ زیارت کعبہ — ہمارے دیر کو قائم رکھے جہاں میں خدا

اگر طواف کروں تو اسی کے مشہد کا — کہ جس کے واسطے خلقت ہوئے ہیں ارض و سما

وہ کون شاہ خراساں امیر ابن امیر — امام ضامن ثامن شفیع روز جزا

دہاں جو خوار کرے مجھ کو شومیٔ طالع — پڑھوں یہ مطلع دلکش کہوں ہوا سو ہوا

رضا رضا ہی پکارے جو ہو ہو فدائے رضا
یہی رضائے محمد یہی رضائے خدا

یہ آرزو ہے کہ جا اس کے آستانہ پہ
کروں خطاب کہ اے بادشاہ ہر دو سرا

تیرے تو مشہد عالی کو یا امام زمن!
بجائے کعبہ سمجھتے ہیں مردم دنیا

سبحان فلک سے اگر کوئی پوچھے
کہیں کہ عرش معلا سے کم نہیں یہ جا

کسے مجال تیرے روبرو کہے حاضر
کہ تیرے سامنے ہوتے ہوئے ڈرے ہے قضا

جو فی المثل ہو مقابل ترے غلاموں کے
جسے سمجھتے ہیں رستم یہ مردم دنیا

نہ آشنا پاتا ہوں اس کو کہ سامنے ٹھہرے
سبھی پکاریں گے دیکھا نہ وہ کیا وہ کیا

عدو سے پوچھیئے گر تیری تیغ کی برش
کہے جہاں میں ہوئی ذوالفقار پھر پیدا

قلم تو میرے کف دست سے نکل جاوے
تیرے سمند کے جلدی اگر کروں انشا

چلے رکاب میں باد سحر کا کیا مقدور
کیا قبول وہ ہر چند ہے جہاں پیما

یہی ہے عرض فغاں کی اگر قبول پڑے
تری جناب مقدس میں یا امام رضا

کسی کے در کو نہ جھانکوں نصیب ہو میرے
تجھی سے فائدۂ دین و حاصل دنیا

شتاب ہو میرے مولا مراد دل حاصل
خدا نخواستہ جنبش میں آوے دست دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو دیوان

(ردیف الف)

عالم میں اگر عشق کا بازار نہ ہوتا — کوئی کسی بندہ کا خریدار نہ ہوتا
ہستی کی خرابی[1] نظر آتی جو عدم میں — اس خواب سے ہرگز کوئی بیدار نہ ہوتا

قطعہ

کہتا ہی تجھے خاک نہ دوں غیر اذیت — یہ دل میں اگر تھی تو میرا یار نہ ہوتا
معلوم کسے تھی یہ تیری خانہ خرابی — میں جانتا ایسا تو گرفتار نہ ہوتا
دیتے تیری مجلس میں اگر راہ فغاں کو — اس شخص سے ہرگز کوئی بیزار نہ ہوتا
عالم کو جلاتی ہی تیری گرمیٔ مجلس[2] — مرتے ہم اگر سایۂ دیوار نہ ہوتا
اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہی — پس چاہیے تسبیح میں زنار نہ ہوتا

ظالم مرے حاسد کی تو شادی تھی اسی میں
یعنی مجھے در تک بھی تیرے بار نہ ہوتا[3]

---

[1] گلشن ہند (ص ۱۶۰) میں یہ مصرع اس طرح ہی ع "ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں"۔ مگر تذکرۂ ریختہ گویان (ص ۱۲۲) اور چمنستان شعرا (ص ۳۴۵) میں "کی خرابی نظر آتی" ہی دوسرا مصرع گلشن ہند، تذکرہ ریختہ گویان اور "چمنستان شعرا" میں اس طرح ہی ع "ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا" [2] مجموعۂ نغز (ص ۲۰۲) اور تذکرہ ہندی (ص ۱۶۰) میں "مجلس" کے بجائے "بازار" ہی [3] ص ۳۴۳ یہ دو شعر پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ میں نہیں، شاید حاشیہ پر ہوں مگر جلد بندی میں اس پر کاغذ چپکا دیا ہی

آیا[1] ہی[2] خط نمود میں اس خوش نگاہ کا — شاید اثر ہوا ہی میرے دود آہ کا

خورشید بھی ہو وے ہویدا سحر کے وقت — گر نام لے کوئی میرے بخت سیاہ کا

بے وجہ نہیں[3] ہی جامۂ قاتل کا رنگ سرخ — شاید پڑا ہی خون کسی بے گناہ کا

آجاوے درمیان میں داماں حشر بھی — اتنا ہی چاک جیب ترے داد خواہ کا[4]

اے شہ گدا کے خرقۂ پشمیں کے روبرو — کیا پشم و قر ہی تری زریں کلاہ کا

جو لخت دل گرا ہی[5] زمیں پر اسے فغاں
رکھنا میرے کفن میں یہ توشہ ہی راہ کا

جاں! ایسا نہ ہو ضائع ہو یہ جاناں میرا — بھیجو جاں[6] کو ٹک جان کے جاناں میرا

ہاتھ تو[7] نے تو رفو سے نہ اٹھایا ناصح — اڑ گیا سیتے ہی سیتے یہ گریباں میرا

طرح کیا یاد ہی اس چشم کو لگ جانے کی — چھوٹ سکتا نہیں اب گوشۂ داماں میرا

کچھ مدارات بھی اے خون جگر پیکاں کی — تشنہ مرتا ہی کئی دن سے یہ مہماں میرا[8]

کیا کروں پھوٹ چلے آبلے اے چشم پر آب — یہ نہ ہووے کہ رہے خشک بیاباں میرا

دل خم زلف میں ناحق کو گرفتار ہوا — آ گیا کفر میں افسوس مسلماں میرا

اس خط سبز کی ازبسکہ لکھی ہی تعریف
اے فغاں ہو گیا سرسبز یہ دیوان میرا

اے تجلی کیا ہوا شیوہ تری تکرار کا — مر گیا آخر کو یہ طالب ترے دیدار کا

---

[1] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع: "آیا ہی خط ہوا ہی" [2] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع میں "ہی" نہ تھا [3] ایضاً "تھا" [4] ایضاً "بجز" [5] ایضاً جو لخت دل گرے ہوں زمیں پہ، میں بیٹھے رکھنا یہی میرے کفن پہ توشہ یہی راہ کا۔ اس نسخہ میں ایک اور شعر ہی جو کتب خانۂ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی کے نسخوں میں نہیں، اور وہ یہ ہی: طاقت نہیں فغاں کہ جو دیکھے تیری طرف ہو کر کتاں ہوا نہیں ہم چشم ماہ کا [6] ایضاً جام [7] ایضاً "تھی" [8] "تیرا" مخزن نکات ص ۱۲۳۔

کیا بنائے خانۂ عشاق بے بنیاد ہے
ڈھل گیا ہے میرے سایہ تری دیوار کا

روز بہ ہوتا نظر آتا نہیں یہ زخم دل
دیکھیے کیا ہو خدا حافظ ہے اس بیمار کا

نوملازم لعل لب کو دے گئے تنخواہ میں
بے طلب رہتا ہے یہ نوکر تری سرکار کا

دیکھ نہیں سکتا فغاںؔ شادی دل آفت طلب
یہ کہاں سے ہو گیا مالک میرے گھر بار کا

یہ ناز ہر کسی سے اٹھایا نہ جائے گا
مجھ سا جو مر گیا تو جلایا نہ جائے گا

زخم جگر کو پردہ نشینی ضرور ہے
یہ داغ ہر کسی کو دکھایا نہ جائے گا

آسودہ ہیں زبس ترے کوچہ میں عاشقاں
اس خاک کو ادب سے اٹھایا نہ جائے گا

کیا خاک کوئے یار میں لیویں سراغ دل
ایسا ہی گم ہوا ہے کہ پایا نہ جائے گا

ممکن نہیں کہ تارِ نگہ بن یہ ہو رفو
چاکِ جگر فغاںؔ سے سِلایا نہ جائے گا

کتنا حریف خواب ہے خلخال دیکھنا
یارو خدا کے واسطے یہ چال دیکھنا

جب تک رہے[۱] قفس میں یہی شغلِ نت رہا
سر کو جھکا کے پر و بال دیکھنا

قطعہ

وقت بہار مجھ دل شیدا کا اے فغاں
یہ تھا شعار دشت کو ہر سال دیکھنا[۲]

اس سال مجھ کو دیکھ غزالان نے یوں کہا
منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا

---

۱ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں "جئے" ہے ۲ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ شعر مقطع ہے اور دوسرا مصرع جو غلط لکھا ہوا ہے یہ ہے "نت تھا شعار دشت کو ن ہر سال دیکھنا"

جا دیکھ آج دشت میں ماتم نشین ہے بید
مجنوں کی خاک پر وہ کھلے بال دیکھنا

آنکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبودیا[۱] — کچھ بس نہ چل سکا تو میری[۲] جان رودیا
باتیں تیری کسی کے بھی دل کو[۳] بھلی لگیں — میرا جگر نہ ہووے کہ پیکان چبھو دیا
سن لی خبر کہاں سے میرے اشک چشم کی — کس نے یہ تیرے[۴] کان میں موتی پرودیا

قطعہ

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں — خانہ خراب عشق[۵] نے دنیا سے کھو دیا
اس کے وصال و ہجر میں یوں ہیں[۶] گذر گئے[۷]
دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

قطعہ

چشم مردم میں سبک کرتا ہے رو کھا بولنا — بوجھ ہوں دل پر تو میزان نظر سے تولنا
چاک کرنے دے صبا غنچہ کا اول پیرہن — رہ کے ٹک گلشن میں تو بند قبا کو کھولنا

۱؎ "تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۵) ع " اشکوں نے لے سفینۂ الفت ڈبودیا" تذکرہ ہندی (ص ۱۶۱) ع "آنکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبودیا" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "آنکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبودیا ۲؎ تذکرہ ہندی "مری" ۳؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کون" ۴؎ ایضاً کس نے تیرے یہ کان میں موتی پرودیا ۵؎ ایضاً دل نے ۶؎ قلمی نسخے "ہیں" "گر"ہی" کے لئے دیکھو مجموعۂ نغز (ص ۷۵) تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۵) تذکرہ ہندی (ص ۱۶۱)
خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ شعر نہیں، مگر اس نسخہ میں اس غزل کا مطلع ہے،

یہ بات تو نہ کہہ میرا احسان کھو دیا — دشنام تو مدام ہے بوسہ کبھو دیا

مگر یہ شعر کتب خانہ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی کے نسخوں میں نہیں ہے،

یا کہ بوسہ دے مجھے وہ شوخ یا دشنام دے
ہو سکے یا سم فغاںؔ یہ کھولو انت کھولنا

قطعہ

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا — کاروانِ اشک چلتا ہی رہا
اس کفِ پا پر ترے رنگِ حنا — جس نے دیکھا ہاتھ ملتا ہی رہا
صبح ہوتے بجھ گئے سارے چراغ — داغِ دل تا شام جلتا ہی رہا
کب ہوا بیکار پتلا خاک کا — یہ تو سو قالب میں ڈھلتا ہی رہا
یہ ہوئے کب داغ میرے جسم کے — یہ شجر ہر وقت پھلتا ہی رہا
کب تھما آنکھوں سے میرے خونِ دل — جوش کھا کھا کر ابلتا ہی رہا

کیا ہوا مرہم لگانے سے فغاںؔ
زخمِ دل سینہ میں سلتا ہی رہا

قطعہ

مے واسطے ساقی نہیں آپ چشم تر آیا[1] — دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
مت ڈھونڈ گزک کو ارے میخوار ادھر دیکھ — اے لے تیری خاطر میں لختِ جگر آیا
گم کر دیا اس نامۂ جاں سوز کو میرے — قاصد کا برا ہو وے یہ کیا کام کر آیا
زاہد کے تئیں دیکھ کے کہتا ہوں حرم میں — عیسیٰ کو فلک بھیج دے کعبہ میں خر آیا

---

[1] نکات الشعراء (صفحہ ۸) چمنستان الشعراء (صفحہ ۸۲) ع۔ ساقی نہیں یہاں آپ سے کچھ چشم تر آیا، مجموعۂ نغز (صفحہ ۲) ع۔ ساقی میں نہیں آپ سے کچھ چشم تر آیا۔ مخزن نکات (صفحہ ۲۱) مے واسطے ساقی نہیں لبان چشم تر آیا۔ کتب خانہ الاصلاح کے اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخوں میں "آپ" کے بجائے "اب" ہے۔ دوسرے مصرع میں نکات الشعراء میں "کو" کے بجائے "کے"
ہے اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں "کون" ہے۔

حیران و پریشان و دل افگار و قبا چاک[۵۱]
سنتے تھے فغاں کو سو وہ آج ہی نظر آیا[۵۲]

صد شکستہ بال کو حب وطن سے کیا
ہوں بلبل قفس مجھے مرغ چمن سے کیا

یہ جسم خاک ہو ترے در پر اڑا کرے
تیرے شہید عشق کو گور و کفن سے کیا

یعقوب کو عزیز ہے یوسف کا پیرہن
یوسف ہو جس کے پاس اسے پیرہن سے کیا

پی پی کے خون دل کو وہ رنگین کرے ہے لب
اس لعل بے بہا کو عقیق یمن سے کیا

صنم بتا تو خدائی[۵۳] کا تجھ کو کیا نہ ہوا
ہزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا

شگفتگی سے ہے غنچے کے تئیں پریشانی
بھلا ہوا کبھی کافر تو مجھ سے وا نہ ہوا

ہوا نہیں جیا آخر کو نیم بسمل ہو
غضب ہوا مرے[۵۴] قاتل کا مدعا نہ ہوا

نپٹ ہوا ہوں فضیحت بہت ہوا ہوں خراب
ترے[۵۵] طفیل لے خانہ خراب کیا نہ ہوا

طرف سے اپنی تو نیکی میں تھا مرا[۵۶] صاحب
تری[۵۷] بلا سے فغاں کا بھلا ہوا نہ ہوا

---

[۵۱] نکات الشعرا، چمنستان الشعرا، ع - ادارہ' پریشان و شکستہ دل و بدنام' تذکرہ ریختہ گویان ع - آوارہ پریشان و شکستہ دل و بدنام [۵۲] نکات الشعرا (ص ۳۷)، چمنستان الشعرا (ص ۴۸۳) و تذکرہ ریختہ گویان (ص ۱۴۲) میں یہ مصرع اس طرح ہے' ع سنتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع - سنتے تھے فغاں کے تئیں سو اب نظر آیا [۵۳] تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۳) "خدائی میں" آب حیات (ص ۱۱۶) و نسخہ خان بہادر محمد شفیع "خدائی کا" [۵۴] آب حیات "مرے" نسخہ خان بہادر شفیع کے نسخہ میں ہے ع ۔ غلط ہوا میرے قاتل کا مدعا نہ ہوا۔ [۵۵] آب حیات ۔ تیرے [۵۶] آب حیات مرا نسخہ خان بہادر شفیع میں یہ مصرع کچھ اور ہے جو پڑھا نہیں جاتا [۵۷] آب حیات "میری" نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں ایک شعر فاضل ہے اکباب ہو گیا آخر کو کچھ مزا نہ ہوا عجب یہ دل ہے جلا تو بھی بے مزا نہ ہوا

عاشق کے آگے مت کہو وہ شوخ بد اطوار تھا | ظالم تھا یا خونخوار تھا جو تھا سو اپنا یار تھا
لاکھوں لگاتے سب رہی عاشق کے آگے کب رکی | دل دے کے سودا کر چکا منعم تھا یا نادار تھا
لقمان بھی حیراں رہا یہاں بو علی گم یاں رہا | درد دل بیمار تھا اندک تھا یا بسیار تھا
اس در پہ میں جب تک رہا مت پوچھ وہاں کیا کیا سہا
یا تھا خدا سر پہ فغاں یا سایۂ دیوار تھا

کسی کے پاس دیکھوں یار کو میں سہہ نہیں سکتا | رہوں تو رہ نہیں سکتا کہوں تو کہہ نہیں سکتا
یہ موج اشک میری صورت زنجیر رکھتی ہے
چلوں تو چل نہیں سکتا بہوں تو بہہ نہیں سکتا

مرا قطرۂ اشک دریا نہ ہوگا | جو آنکھیں بھی ہیں تو کیا کیا نہ ہوگا
میں دیتا ہوں جی کو وہ لیتا ہے دل کو | خریدار یہ ہے تو سودا نہ ہوگا
نہ کر دل کو آلودۂ زنگ فرقت | کہ یہ آئینہ پھر مصفا نہ ہوگا
ہزاروں چمن میں کھلے گل مجھے کیا | مرا غنچۂ دل کبھی وا نہ ہوگا
فغاں ریختہ گو جہاں میں بہت ہیں
کوئی تجھ سا دنیا میں پیدا نہ ہوگا

غور کر دیکھا جہاں کعبہ تھا یا بت خانہ تھا | ایک تو اپنا تھا اور عالم سبھی بیگانہ تھا
اس قدر بھی کلبۂ دل کو میرے ویران نہ کر | ایک دن وہ تھا کہ تو اس گھر کا صاحب خانہ تھا
دیکھتا فانوس میں نور تجلی کب تلک | جل گیا پردہ کے کرتے ہی سو یہ پروانہ تھا
سنتے سنتے لگ گئی ہے آنکھ تیرے یار کی
قصۂ جانکاہ تیرا کیا فغاں افسانہ تھا

تدبیر کا[1] عبث کو فغاں مبتلا ہوا | تقدیر کا مٹے نہیں ہرگز لکھا ہوا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع "تدبیر پر عبث تو فغاں مبتلا ہوا۔"

ساقی نہ جام دے تیری ضائع ہو وے گی مے　　آنا ہی میری چشم سے دریا بہا ہوا

شانہ کی کشمکش سے[۵۱] اگر زلف کھل گئی　　اے دل نکل شتاب تیرا دام وا ہوا

اے عندلیب تیرے جگر کو لگے گی آگ[۵۲]　　ہرگز نہ دیکھیو میرا سینہ جلا ہوا

لایا نہیں ہی میرے لکھے کا جواب آہ　　مرتا ہوں انتظار میں قاصد کو کیا ہوا

معلوم میں کیا تیرے رونے سے اے فغاں

تو خانماں خراب کہیں مبتلا ہوا

جس شخص کو ہو عشق کا آزار مرے گا　　جینے کا نہیں یہ تیرا بیمار مرے گا

بے شغل نہ رہ اس دل بسمل کو جلا دے　　یکبار جیے گا تو کئی بار مرے گا

کیا وسعت سینہ جو کرے بال کشائی　　رک رک کے میرا مرغ گرفتار مرے گا

منظور ہوا یار تجھے قتل رقیباں!

اس ضد سے فغاں اپنے تئیں مار مرے گا

عالم کو بحر خوں میں یہ قاتل ڈبو سکا　　لیکن میرے لہو کو نہ دامن سے دھو سکا

پہنچا گئے مجھے تیرے در تک یہ سیل اشک　　اتنا تو ہو سکا کہ میری جان رو سکا

قطعہ

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں　　یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا

تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو　　کیوں کر پڑی تھی نیند تجھے کیوں کہ سو سکا

---

۵۱ ایضاً سینے ۵۲ گل کی قسم تیرے جگر کو لگے آگ نہ - بلبل نہ دیکھیو میرا سینہ جلا ہوا'

اس نسخہ میں دو شعر فاضل ہیں' ایک صحیح طور پر پڑھا نہیں جاتا' دوسرا یہ ہے'

وحشت جنوں میں کود پڑے تو برہنہ پا　　اب تو فغاں ندیم تیرا رہنما ہوا

تنہا نہ تیغ ناز سے دل آج کٹ گیا ٹکڑے جگر بھی ہو صف مژگاں سے بٹ گیا

گل ہر سحر کرے ہی گریباں کو چاک چاک اے عندلیب تیرا کلیجہ نہ پھٹ گیا

ثابت ہوئی نہ زلف بتاں کی گزندگی یہ افعئی سیاہ تھا ڈس کر پلٹ گیا

کیوں کر رہا فغاں خم ابرو کے سامنے

رستم بھی اس کی تیغ کے آگے سے ہٹ گیا

ہرگز میرا وحشی نہ ہوا رام کسی کا وہ صبح کو ہی یار میرا شام کسی کا

اس ہستیٔ موہوم میں ہرگز نہ کھلی چشم معلوم کسی کو نہیں انجام کسی کا

اتنا کوئی کہہ دے کہ میرا یار کہاں ہی باللہ مجھیں لینے کا نہیں نام کسی کا

ہونے دے میرا چاک گریباں میرے ناصح نکلے میرے ہاتھوں سے بھلا کام کسی کا

ناحق کو فغاں کے تئیں تشہیر کیا ہی

دنیا میں نہ ہو دے کوئی بدنام کسی کا[1]

دل دھڑکتا ہی کہ تو یار ہی[2] سودائی کا تیرے مجنوں کو کہاں پاس ہی رسوائی کا

برگ گل[3] سے بھی کم اب کہ وہ غم اس نے جانا یہ بھروسا تو نہ تھا دل کی توانائی کا

کیجیے چاک گریباں کو بہار آئی ہی ذکر بے لطف ہی یہاں صبر و شکیبائی کا

سرو ثابت قدم اس واسطے گلشن میں رہا نہیں دیکھا کبھی جلوہ تیری رعنائی کا

زور منظور نظر تو[4] تو فغاں رکھتا ہی

میں تو بندہ ہوں تیری چشم کی بینائی کا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں حسب ذیل شعر فاضل ہی

جب تلک آوے نہیں قاصد کو نہ بھیجو وہ شوخ تو سنتا نہیں پیغام کسی کا

[2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "ہی" ندارد [3] ایضاً برگ گلشن سے کم [4] ایضاً تن

از بسکہ آبلوں سے یہ معمور ہو گیا — دل تو بہ رنگ خوشۂ انگور ہو گیا

کیا دوں میں تجھے ترے سنگ جفا کے تئیں — میرے بغل میں شیشۂ دل چور ہو گیا

اب کیا کرے گا اس کو مشبک عدنگ ناز — میرا جگر تو خانۂ زنبور ہو گیا

بس کہہ رہا فغاں کہ جگر کا علاج کر

یہاں تک رہا یہ زخم کہ ناسور ہو گیا

گر انصاف وہ سرو شمشاد کرتا — مجھے کب غلامی سے آزاد کرتا

اگر تلخی عشق شیریں نہ ہوتی — تو کیوں جان کنی اتنی فرہاد کرتا

قطعہ

کہو اس ستم گر کو ظالم جسے تو — سپرد دم تیغ جلاد کرتا

یکایک گرفتار دست قضا ہو — غرض مر گیا وہ تجھے یاد کرتا

فغاں سچ تو یہ ہے اگر دل نہ ہوتا

ترے واسطے کون فریاد کرتا

کب[لہ] درد سے دل کو تاب آیا — آنکھوں میں کہاں سے خواب آیا

اس دل کی تو یہ آرزو نہ نکلی — منہ دیکھتے ہی حجاب آیا

شاید کہ ہوا ہے خط نمودار — نامہ کا میرے جواب آیا

ہے تو یہ شگون وہ چشم میگون!

پھر پی گے فغاں شراب آیا

نہ پوچھ عشق سے دل سرد یا کباب ہوا — یہ کچھ ہوا کہ میرا خانماں خراب ہوا

لہ یہ غزل دلبینہ لائبریری کے نسخہ میں حاشیہ پر تھی، پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ کا حاشیہ کاغذ سے چپکا ہوا ہے۔

بہا دیا ہی اسے سیلِ اشک میں اے چشم[1] ہمارا سر نہ ہوا کاسۂ حباب ہوا

رقیب دیکھ میرا حال زار روتا ہی یہ وہ مثل ہی جو کہتے[2] ہیں سنگ آب ہوا

ائے[3] تو قتل کر آیا فغاں جو تھا بیمار

بھلا کیا ارے قاتل بڑا ثواب ہوا[4]

تقصیر یہ ہوئی کہ ترا یار ہو گیا میں بے گناہ مفت گنہگار ہو گیا[5]

آنکھیں تو اس کو عین بھی گرنے[6] نہ پائیاں دل خانماں خراب گرفتار ہو گیا

آگہ کردیں[7] ہیں کب ترے خلخال پا ہیں اپنے نصیب سے کوئی بیدار ہو گیا

اب کیا کوئی کسی سے توقع رکھے فغاں

دلدار تھا میرا سو دل آزار ہو گیا

بوسہ[8] دیا ہی غیر کو کیا کام ہو گیا ظالم ترا عقیق تو بدنام ہو گیا

ہی وصل یار مرہم داغ دلِ[9] فگار چھاتی سے جب لگا وہیں آرام ہو گیا

قطعہ

خونِ دل غریب کو پیتا ہوں ہر سحر لختِ جگر تو آذقۂ شام ہو گیا

اپنی کہو اے ہم سفرانِ رہِ عدم میرا تو ہر طرح سے سرانجام ہو گیا

۱۔ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں۔ "سنگ" ۲۔ ایضاً۔ "کہ" ۳۔ ایضاً تو اس کو ان قتل کرایا...... +
بھلا ہوا میرے قاتل...... ۴۔ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں مطلع یہ ہی: آنا ہمارے گھر میں تجھے عار ہو گیا۔ ایسا
فغاں کے نام سے بیزار ہو گیا ۵۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہونے" ۶۔ ایضاً آگاہ کیا کریں۔ ۷۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع
ع۔ بوسہ دیا فغاں کو یہ کیا کام ہو گیا ۸۔ ایضاً دل نمک

کیوں کر نہ شگفتہ ہو دل بیمار کو فغاں
یہ اشک چشم روغن بادام ہو گیا

راز دل میرے سے محرم خویش و بیگانہ ہوا
قصۂ جانکاہ تھا میرا سو افسانہ ہوا

خاک ہو اس سے زیادہ امتحان سوز عشق
جل گیا دل یہاں تلک میرا کہ پروانہ ہوا

کیوں پیاپے جام تو دیتا ہی اے ساقی مجھے
مت چھلک جاوے کہیں لبریز پیمانہ ہوا

ہم نوایان اب بہار آئی فغاں کہتا ہی یوں
کیجیو زنجیر اس کو پھیر دیوانہ ہوا

ایسی نگاہ کی کہ میرا[1] جی نکل گیا
قفسِ[2] تنگ عذاب سے چھوٹے خلل گیا

قابل اسی کے ہوں کہ سراپا ہو داغ داغ
اس نخل کی مراد یہی تھی کہ پھل گیا

بوئے کباب سوختہ آتی ہی آہ سے
ایسا میرے جگر کو جلایا کہ جل گیا

آتی ہی اب[3] بہار یہ سن لیجیو فغاں
زنجیر کو توڑ[4] کے دیوانہ[5] نکل گیا

صورت[6] حال دل عاشق نمایاں ہو گیا
دیکھتے ہی آئینہ کو یار حیراں ہو گیا

---

[1] تذکرہ ہندی و تذکرہ میر حسن "مرا" مجموعۂ نغز "میرا" [2] تذکرہ ہندی و مجموعہ نغز "قفسہ" تذکرہ میر حسن "جگر" نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع قفسہ تنگ عذاب سے چھوٹا خلل گیا [3] تذکرہ ہندی ع آئی بہار پھر تو یہ سن لیجیو فغاں [4] ایضاً "تڑا" [5] ایضاً "دوانا" خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں: آنے پہ بہار پھر تو سن لیجیو فغاں زنجیر کو ن تڑا کے دیوانہ نکل گیا [6] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں اس غزل کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہی: اس میں غزل اس طرح ہی:

صورت حال عاشق نمایاں ہو گیا
رشتۂ زنار و تار گریباں ہو گیا

کھو نا مت تو کہیں اپنی گرہ لے زلف یار
دیکھتے ہی آئینہ کو یار حیراں ہو گیا

دیکھ اس بت کو برہمن نے کیا چاک جیب
غنچۂ دل جب کھلا آخر پریشاں ہو گیا

اے فغاں جب سے ہوا ہی اس پری کا گذر
کلبۂ احزان میرا تخت سلیماں ہو گیا

دیکھ اس بت کو برہمن نے کیا ہی چاک جیب — رشتۂ زنار [illegible]

کھولنا مت تو کہیں اپنی گرہ زلفِ سیہ — غنچۂ دل جب کھلا تجھ سے پریشاں ہو گیا

اے فغاں جب سے ہوا ہی اس پہ یوں کا گذر

کلبۂ احزان میرا تخت سلیماں ہو گیا

کروں[1] کیا اے شبِ وصل اب ارادہ دلکشائی کا — میرے رونے کے خاطر پھر دھرا ہی دن جدائی کا

گواہ سجدۂ عشاق ہی خاکِ در الفت — نہیں مٹنے کا ہر گز نقش میری جبہ سائی کا

گرفتار قفس کو بے پر و بالی مزیب ہی — اسیرِ دامِ الفت نام مت لینا رہائی کا

چلا کوئے ستمگر کو دل آفت طلب میرا — ارادہ پھر کیا کمبخت نے بخت آزمائی کا

. . . . چشم میں لختِ جگر یا خونِ دل دیکھا

. . . . کاسہ گدائی کا

رفتہ رفتہ بت[2] خوش قد میرا آفت ہو گا — قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہو گا

کیا سبب ہی کہ[3] نہ آیا میرے نامہ کا جواب — خیر ہو یار کی قاصد تو سلامت ہو گا

دیدۂ زخم جگر چاہیے روشن ہو دیں — اے فغاں زخم جگر باعث راحت[4] ہو گا

دیکھنا کیا ہی مزا اے تو نمک پاشی کا

وہ بت سبز میرا کان ملاحت ہو گا[5]

لے زمیں تا بہ آسماں دیکھا — ہم نے تجھ کو کہاں کہاں دیکھا

قطعہ

نہ تھکا کارواں اشک کبھی — نت یہی قافلہ رواں دیکھا

---

[1] یہ غزل کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے حاشیہ پر ہی جو پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں نہیں، مقطع کا دوسرا مصرعہ پڑھا نہیں جاتا [2] تذکرہ مہندی "بہت" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کہ" [5] اس غزل کے آخر دو شعر کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہو گئی تھی، خاں بہادر محمد شفیع کے نسخہ سے ملا کر دونوں مصرعوں کی تصحیح کر دی گئی ہی

ایک دم کب ملی ہی فرصتِ دید　　آنکھ بھر کر تجھے کہاں دیکھا

قطعہ

جب تلک ہم رہے چمن میں فغاں　　تب تلک جورِ باغباں دیکھا

آ گئے دام میں تو واں شب و روز　　روئے صیاد مہرباں دیکھا

اب جو آئے قفس سے چھوٹ کے ہم　　گُل کہاں موسمِ خزاں دیکھا

کچھ نہ دیکھا چمن میں پھر آ کر
ایک اجڑا سا آشیاں دیکھا

ہوا کب خشک بہتا ہی رہا ناسور آنکھوں کا　　نیا رونا نہیں سادھا یہ ہی دستور آنکھوں کا

زیادہ اس سے کچھ چلتا نہیں مقدور آنکھوں کا　　کہ رو کر پھوٹ جاویں ہی یہی منظور آنکھوں کا

خدا جانے کہ یہ کس خوش نگہ سے ناکہ کھاتا ہی　　ہمیشہ پھولتا پھلتا رہا انگور آنکھوں کا

یہ دل اے مردمان مفتونِ چشمِ خوش نگاہاں ہی　　رلاوے گا مجھے مت کیجیو مذکور آنکھوں کا

عجب کیا ہی اگر زخمِ جگر کو فائدہ بخشے　　نمک پرور دہ ہی آخر یہ اشکِ شور آنکھوں کا

میرے گریہ کے آگے دیدۂ یعقوب حیراں ہی
عسہ . روتے ہی روتے اڑ گیا ہی نور آنکھوں کا

نیز مژگاں تیرا سو ذرہ نہ ہونے پایا[۱]　　دل پہ درد کا غم خوار نہ ہونے پایا

اے زلیخا غضب آوے ترے سوتے[۲] بنیں[۳]　　کوئی یوسف کا خریدار نہ ہونے پایا

کشش[۴] دام نے لی جان ہماری صیاد　　میں قفس میں بھی گرفتار نہ ہونے پایا

نہ ملی شمع صفت مجھ کو فراغت آخر　　سر کٹایا پہ سبکبار نہ ہونے پایا

کیجیے جرم یہاں تک کہ وہ تشہیر کرے　　اس قدر بھی تو گنہگار نہ ہونے پایا

عسہ ایک لفظ حاشیہ میں کٹ گیا ہی ۔ ۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع ۔ ع تیز کیا تشنہ تھا جو یار نہ ہونے پایا
۲؎ ایضاً ترے دو تکے بنیں ۳؎ ایضاً کشش دام میں ہی جان ہماری صیاد ۔ میں قفس میں بھی تھا گرفتار نہ ہونے پایا

چشم عشاق نے ہرگز نہ تجلی دیکھی   لگ گئی آنکھ پہ دیدار نہ ہونے پایا

رات بالیں پہ میرے ہوگیا قاتل دیکھا[1]
تو فغاں خواب سے بیدار نہ ہونے پایا

مشہد طرف میرے گذر اے یار کیوں کیا   آسودگان خاک کو بیدار کیوں کیا
منظور تھی جفا تو ملاقات تھی غلط   اتنے لیے کسی کو گنہگار کیوں کیا

میں کہہ رہا فغاں تو کہیں مبتلا نہ ہو
بیٹھے بٹھائے دل کو گرفتار کیوں کیا

اڑوں تو پر نہیں رکھتا چلوں تو پا نہیں رکھتا   رہا کر یا نہ کر صیاد میں پہ وا نہیں رکھتا
پلک کے مارتے مردم کو غرق بحر خون کردے   سرشک چشم میں بولا کچھ دریا نہیں رکھتا

قطعہ

فغاں کل یار سے اپنے یہ درد دل سناتا تھا   کہ میں عاشق تو ہوں پہ دلیں تیری جا نہیں رکھتا
گرا جو کوہ غم مجھ پر اسے کیا کوہ کن جانے   جہاں پھرتا ہوں اس وادی میں مجنوں پا نہیں رکھتا
لگا کہنے ہاتف تاک دیکھو میرے چاک گریباں کو   کہ یہ وسعت تو ہرگز دامن صحرا نہیں رکھتا
جگر کا زخم کاری ہے سرشک چشم جاری ہے   تجھے کیا چاہیے مجھ سے بھلا میں کیا نہیں رکھتا
مغاں بدمست ہیں پی دم بدم خونابۂ دل کو   فغاں گردن پہ اپنی منت مینا نہیں رکھتا

مکاں کس طرح سے تحقیق ہو خانہ بدوشوں کا
فغاں کا گھر نہ پوچھو آشیاں عنقا نہیں رکھتا

ہے غلط گرم سدا مصر کا بازار رہا[2]   نہ تو یوسف ہی رہا وہاں نہ خریدار رہا

---

[1] ایضاً رات بالیں پہ میرے آ بادہ فاصد دیکھا اے فغاں خواب سے بیدار نہ ہونے پایا [2] اس غزل کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے حاشیہ پر ایک غزل لکھی ہے جسکا کچھ حصہ جلد بندی میں کٹ گیا ہے۔ اس لیے پوری غزل صاف پڑھی نہیں جاتی
[3] یہ غزل کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے حاشیہ پر لکھی۔

شب خدا جانے کہاں تھا میرا خورشید نہاں — شام تک سر پہ میرے سایۂ دیوار رہا
ہمنوایانِ چمن کنج قفس سے نکلے — ایک میں طائرِ بے بال گرفتار رہا

زندگی یہ ہے اگر عمر کٹے یار کے ساتھ
کون جینا ہے اگر دل کو فغاں مار رہا

ابھی مٹا نہیں دعویٰ ستم رسیدوں کا — کفن ہوا نہیں میلا ترے شہیدوں کا
بہائے خون شہیدان تجھے معاف ہے دار — کہ سر بلند کیا تو نے حق رسیدوں کا
برنگ طائر بسمل موئے یہ کشتۂ عشق — کسی نے غم نہ کیا خاک و خون طپیدوں کا
دہن کو دیکھ ترے ہونٹ چاٹتے رہ گئے — بھرا نہ قند سے منہ چاشنی چشیدوں کا

دل غریب کو کیا کیا بلا دکھا نہ چکے
فغاں میں جان سے دشمن ہوں اپنے دیدوں کا

میرے[1] صنم کو مگر تیغ کیا نہیں دیکھا — غلط[2] ہے یہ جو کسی نے خدا نہیں دیکھا
جفا و جور و مصیبت وفا و مہر و کرم — الٰہی[3] پھوٹیں ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

کہیں نگاہ پڑے گی تو جان جاوے گا
خدا کے واسطے آگے سے جا نہیں دیکھا

سر کو فدائے خنجر بیداد کر چکا — پہنچا میں اپنی داد کو فریاد کر چکا
گو بزم غیر میں نہیں لایا زباں پہ نام — دل میں ہزار بار تجھے یاد کر چکا
شوخی کو اس کی دیکھ کے کہتی ہیں مردمک — یہ طفل اشک خدمت استاد کر چکا
شاداں خدا کرے تو کرے اس ملول کو — دل شاد ہو چکا وہ اسے شاد کر چکا

---

[1] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ غزل بہت ہی غلط لکھی ہوئی ہے۔ مثلاً اس کا پہلا مصرعہ اس طرح درج ہے سیر صنم کو مگر تیغ آ نہیں دیکھا [2] ایضاً غلط ہے یہ کہ کسو نے خدا نہیں دیکھا [3] ایضاً الٰہی پھوٹی ہے آنکھوں سے کیا نہیں دیکھا۔

کوئے ستم گراں میں نشانِ فغاں کہاں
اس مشت خاک کو کوئی برباد کر چکا

مجھ کو تیری گلی سے اٹھایا تو کیا ہوا — اس خاک کو کسی نے اڑایا تو کیا ہوا
ممکن نہیں کہ تارِ نگہ بن یہ ہو رفو — چاک جگر کسی سے سلایا تو کیا ہوا

ہم کو تو وصل و ہجر مساوات ہو گیا
آیا تو کیا ہوا جو نہ آیا تو کیا ہوا

مت قصد کر صبا تو دل داغدار کا — ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا
رنگ حنا ملیں کف پا پر تیرے ہے کیوں — پامال خوں کیا ہے کسی خاکسار کا

رکھتا ہے[1] وصل میں در و دیوار پہ نظر
تجھ کو مزا پڑا ہے فغاں انتظار کا

نہیں پہاڑ اہی دکھلانے کو میں نے پیرہن اپنا — ہمیں تو گور میں بھی چاک کرنا ہے کفن اپنا
خدا کے واسطے مت لیجیو تو نام شیریں کا — ابھی سر پھوڑ ڈالے گا اے خسرو کوہکن اپنا

یہاں تک گوش بہ آواز قاصد ہے فغاں کل سے
اگر کچھ بولتا ہے تو نہیں سنتا سخن اپنا

میرا سر گر تیرے[2] ہاتھوں سے مثل کوہکن پھٹتا — ولیکن[3] دل کو کب تجھ سے بھلا شیریں دہن پھٹتا[4]
لگانے ہاتھ تو میرا اگر یہاں گیر ہوتا ہے — معاذ اللہ اگر دامن تیرا اے سیم تن پھٹتا[5]

جنوں کرتا فغاں گر دستگیری بعد مرنے کے
تو مجھ حسرت بھرے کا کس مزے سے یہ کفن پھٹتا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع، تذکرہ ہندی (صفحہ ۱۶۱)، و گلشن بے خار (صفحہ ۲۲۳) "کرتا ہے" [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع
ع۔ میرا دل تیرے [3] ایضاً ولیکن دل میرا کب تجھ سے اے شیریں دہن پھٹتا [4] ایضاً معاذ اللہ اگر دامن
بنائے ساتھ بن پھٹتا

حیراں ہیں یہ دل[1] تجھ کو کر یاد بہت رویا — جب وصل ہوا حاصل ہو شاد[2] بہت رویا

سن کوہ و بیاباں میں شہرہ میری وحشت کا — مجنوں تو بہت پیٹا فرہاد بہت رویا

قطرہ بھی فغاں خوں کا باقی نہ رہا تن[3] میں

منہ دیکھتے ہی میرا جلاد بہت رویا

قاتل بھی مجھ کو دیکھ کے بیتاب ہوگیا — فولاد کا جگر بھی یہاں آب ہوگیا

مست رکھ خیال ہستی ناپائدار پر — جب آنکھ موند لی تو یہ سب خواب ہوگیا

پہنچوں میں کس کے ہاتھ دل داغدار کو — خواہاں ہماری جنس کا نایاب ہوگیا

پایا نہ ایک لخت کا میں نے نشاں فغاں

کیا پارۂ جگر میرا سیماب ہوگیا

آج کیا خوں بہا کسی فریادی کا — کچھ زیادہ ہوا شہرہ تیری جلادی کا

دسترس میری اگر ہو ترے داماں تلک — جیب تک ہاتھ نہ پہنچے کسی فریادی کا

آج نہیں دختر رز کے تئیں کل دیں گے طلاق

ہم کو ہے شیخ ارادہ تری دامادی کا

کروں[4] کیا اے شب وصل اب ارادہ دلکشائی کا — میرے رونے کی خاطر پھر دھرا ہے دن جدائی کا

گواہ سجدۂ عشاق ہے خاک در الفت — نہیں مٹنے کا ہرگز نقش میری جبہ سائی کا

گرفتار قفس کو بے پر و بالی مزیب ہے — اسیر دام الفت نام مت لینا رہائی کا

چلا کوئی ستمگر کو دل آفت طلب میرا — ارادہ پھر کیا کم بخت نے بخت آزمائی کا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تجھکو" [2] ایضاً "کر یاد" [3] ایضاً - قطرہ بھی کہیں تن میں خون کا نہ رہا باقی [4] یہ غزل پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر تھی۔

فغاں اس چشم میں لخت جگر یا خون دل دیکھا
کبھی خالی نہ پایا ہم نے یہ کاسہ گدائی کا

خدا کے واسطے قاتل تو[1] انفعال نہ کھینچ
تیری بلا[2] سے میرے سر پہ جو ہوا سو ہوا
وہ کون شخص ہے جو چشم تر نہیں رکھتا
فغاں خدا سے ڈر اتنا نہ رو ہوا سو ہوا

ہوا آخر وہی جو کچھ مری قسمت میں ہونا تھا
کوئی کہتا ہے جادو تھا کوئی کہتا ہے ٹونا تھا
تجھے ہر صبح ہنسنا تھا تجھے ہر شام شادی تھی
مجھے ہر روز جلنا تھا مجھے ہر[3] رات رونا تھا
سحر ہوتے ہی دیکھا یار کو[4] بالیں پر اس کے
فغاں[5] کیا سو گیا رو رو کے ہے ظالم نہ سونا تھا

دشمن ہے محتسب دل خانہ خراب کا
پھوٹے نہ اس[6] کے ہاتھ سے شیشہ شراب کا
جاری ہے میرے گوشۂ داماں سے سیل اشک
تر اس قدر ہے کا ہے کو دامن سحاب کا
لیجائیو[7] تو خاک فغاں کی وہاں صبا[8]
مشہد ہے جس طرف[9] کو میرے بو تراب کا

دل ان زلفوں میں پھنس کر کیا کرے گا
یہ کالا ناگ ڈس کر کیا کرے گا
تبسم کرکے کیا غنچے نے پایا
گرفتہ دل تو ہنس کر کیا کرے گا
ارادہ دیکھیے قاتل کا کیا ہے
کمر کستا ہے کس کو کیا کرے گا
خمار آخر کو ہے بادہ کشی میں
ارے میخوارہ بس کر کیا کرے گا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "اب" [2] ایضاً تیری بلا میرے سر پہ [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "روز" [4] ایضاً "کوں" [5] ایضاً فغاں کیا سو گیا رو رو کے او ظالم نہ سونا تھا [6] ایضاً "یہ" [7] ایضاً پہنچائیو [8] ایضاً علیہ [9] ایضاً کون

صنم تو رام نہیں ہوتا فغاں سے
الٰہی دل ترس کر کیا کرے گا

اگر عاشق کوئی پیدا نہ ہوتا — تو معشوقوں کا یہ چرچا نہ ہوتا
گریباں چاک کر روتے کہاں ہم — اگر یہ دامن صحرا نہ ہوتا
سدا رہتی توقع بلبلوں کو — اگر یہ غنچۂ گل وا نہ ہوتا
جدائی میں اگر آنکھیں نہ روتیں — تو ہرگز راز دل افشا نہ ہوتا

فغاں کون اب خسر بیدار سخن تھا
اگر یہ حضرت سودا نہ ہوتا

دل کو ناز و نیاز میں پایا — کس نشیب و فراز میں پایا
دل[1] سے محمود کے کوئی دیکھے — اِن[2] نے کیا کچھ ایاز میں پایا
دیکھیو[3] شیخ جی کے ماتھے کو — یہ نتیجہ نماز میں پایا

بے سبب شمع کب جلے ہے فغاں[4]
لطف سوز و گداز میں پایا

جبہ سائی کا نشاں مجھ سے چھپایا نہ گیا — خط تقدیر تھا شاید کہ مٹایا نہ گیا
حیف صد حیف گیا اس بزم سے یار اٹھ کر — چل بسے دہاں کہ جہاں سے تو پھر آیا نہ گیا

نہ ہوا سوزن مژگاں سے رفو چاک جگر
چھن گیا میرا کلیجہ یہ سلایا نہ گیا

میں اگر آرزوئے وصل میں مر جاؤنگا — حسرت دل کو بھلا لیکے کدھر جاؤں گا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ دل بیں [2] ایضاً "اون نے" [3] ایضاً دیکھیو شیخ جیو کے ماتھے کون + گیا شیخ نماز میں پایا۔ جو غلط ہے [4] ایضاً بے سبب کب جلے ہے شمع فغاں

روسیاہوں میں ترے مثل نگیں ہوں ظالم — میں ترا نام نکالوں گا جدھر جاؤں گا
میں تو اس ہستیِ موہوم میں مانند سحاب — دلِ پُر آیا ہوں پر دیدۂ تر جاؤں گا
توشۂ رہ تیرے مقتول کو درکار نہیں — گور میں لیکے یہی لختِ جگر جاؤں گا

آتشِ عشق نہ کم ہووے دمِ آخر تک
شمع ساں گو میں فغاں سر سے گذر جاؤنگا

فتادگانِ رہِ عشق کو اٹھا لینا — رکھی ہو اجر دعائے شکستہ پا لینا
تجھے تو شیشہ گری چاہیے مرے دل کی — اگر یہ ٹوٹ گیا ہو تو پھر بنا لینا
کہاں تلک ترے پاؤں پہ دل مرا آئے تو — خدا کے واسطے چھاتی سے ٹک لگا لینا
غبارِ خاطرِ آزادگاں ہی خواہشِ فرش — جو بے ریا ہی تو مت نقشِ بوریا لینا
معاش یہ ہی کہ نت خونِ دل کو پیتا ہوں — جو آگیا کوئی لختِ جگر تو کھا لینا

فغاں یہ ننگ ہی باللہ عشق بازی کا
جو دل کو ہارکے جیتے تو پھر کیا لینا

جب تک جیا یہ صید گنہگار ہی رہا — مرتے تلک قفس میں گرفتار ہی رہا
چاہا بہت کہ خانۂ دل میں ہو گوشہ گیر — لیکن خدنگِ ناز ترا پار ہی رہا
کب چھوڑتا قدم کو ترے لیک کیا کروں — مانند نقشِ پا کے میں ناچار ہی رہا
پالا ہی میں نے دشمنِ جانی بغل کے بیچ — دل خانماں خراب مجھے مار ہی رہا
یہ ہی غلط کہ گرسنۂ ناز سیر ہو — میں تو مدام تشنۂ دیدار ہی رہا

قطعہ

سوئے شبِ فراق میں آرام سے فغاں — یہ ہی خیالِ محض وہ بیدار ہی رہا
کافر ہو گر پلک سے لگی ہو کبھی پلک

تکتا ہوا سدا در و دیوار ہی رہا

[1] ہے غلط گرم سدا مصر کا بازار رہا ۔۔۔ نہ تو یوسف ہی رہا واں نہ خریدار رہا

شب خدا جانے کہاں تھا مرا خورشید لقا ۔۔۔ شام تک سر پہ مرے سایۂ دیوار رہا

ہم نوایانِ چمن کنجِ قفس سے نکلے ۔۔۔ ایک میں طائرِ بے بال گرفتار رہا

زندگی تب ہے اگر عمر کٹی یار کے ساتھ
کون جیتا ہے اگر دل کو فغاں مار رہا

بہار آئی ہے سوتے کو ٹک جگا دینا ۔۔۔ جنوں ذرا مری زنجیر کو ہلا دینا

ترے لبوں سے اگر ہو سکے مسیحائی ۔۔۔ تو ایک بات میں جیتا ہوں میں جلا دینا

اب آگے دیکھیے جیتوں نہ جیتوں یا قسمت ۔۔۔ مری بساط میں دل ہے اسے لگا دینا

رہوں نہ گرمیٔ مجلس سے میں تری محروم ۔۔۔ سپند وار مجھے بھی ذرا تو جا دینا

خدا کرے تری زلفِ سیہ کی عمر دراز ۔۔۔ کبھی بلا مجھے لینا کبھی دعا دینا

برنگِ غنچہ زرِ گل کے تئیں گرہ مت باندھ
فغاں جو ہاتھ میں آوے اسے اڑا دینا

بام پر اپنے کھڑا وہ خانماں آباد تھا ۔۔۔ قہر تھا، طوفان تھا، بیطرح تھا، بیداد تھا

میں نے طفلی میں بھی گہوارہ نہ دیکھا جز قفس ۔۔۔ کب کھلے تھے بال و پر یہ صید کب آزاد تھا

دیکھ مجھ کو موم ہو گئی ہاتھ میں قاتل کے تیغ ۔۔۔ آب کر ڈالا اسے جس کا جگر فولاد تھا

---

[1] اس غزل کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر یہ دو شعر لکھے ہوئے ہیں،

شور ہے آمد آمد گل کا ۔۔۔ یہ تو غل جان لے گا بلبل کا

خیر خواہش سبھی کی بھیا ہے ۔۔۔ زور اسباب ہے توکل کا

کیا فغاں سے پوچھتے ہو کون تھا حضرت ندیم
پیر تھا، مرشد تھا، ہادی تھا، میرا استاد تھا

جب گلشن بہار کو رنگ خزاں نہ تھا — مشفق ہمارے حال پہ تو مہرباں نہ تھا
دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے — گویا میرا چمن میں کبھی آشیاں نہ تھا

دیر و حرم تلک تو فغاں سیر کر چکے
یہ ہی غلط کہ یار ہمارا کہاں نہ تھا

ہمیں نے دیر کے ساکن نہ کی کعبہ میں جا پیدا — الٰہی ہم نے اس دنیا میں آ کر کیا کیا پیدا
موئے ہم اس تمنا میں نہ نکلی آرزو دل کی — کہ جب پایا اسے تنہا ہوا ایک سا تمنا پیدا

لکھی از بس فغاں تعریف اس کے دست رنگیں کی
کیا اوراق دیواں نے مرے رنگ حنا پیدا

یہاں تک نغمہ سازی میں توکی ہم نے زباں پیدا — نوا دی بے نواؤں کو کیا نالے نے فغاں پیدا
گذر ہے ناقۂ لیلیٰ کا شاید خاک مجنوں پہ — ہوئی اس دشت میں پھر آج گرد کارواں پیدا
نہ لگتا ہے اسے مرجاں و نے لعل بدخشاں بھی — کرے گی کون سا یاقوت چشم خوں فشاں پیدا
وفا یہ کس کو آتی ہے جفا یہ کس کو بھاتی ہے — ہوا مجھ سا کہاں خلقت ہوا تجھ سا کہاں پیدا

مزار کشتۂ الفت زیارت گاہ عالم ہے
کیا اس لوح نے آخر فغاں نام و نشاں پیدا

(ب)

کون کہتا ہے ہماری چشم میں آتا ہے خواب — یہ تو وہ آنکھیں ہیں جن کو دیکھ اڑ جاتا ہے خواب
کیوں اٹھا دیں سر کو بالیں سے شب فرقت میں ہم — خاک بیداری میں کیا کیا لطف دکھلاتا ہے خواب

لہ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کدان" کہ "ایضاً" یہ

کچھ کا کچھ ہو جائے گا غافل نہ کر آنکھوں کو بند | دیکھ بیداری غنیمت ہے ابھی آتا ہے خواب

یہ خیال خام ہے کہتے ہیں سوتا ہے فغاں
اشک کے ہوتے نین میں راہ کب پاتا ہے خواب

عبث کو ہوتے ہو تم بدگماں میرے[1] صاحب | قسم ہے لیجیے حاضر ہے جاں میرے صاحب
تیری تو حد سے زیادہ ہیں گالیاں کھائیں | بس اب سنبھالو تم اپنی زباں میرے صاحب

فغاں نہ کہہ تیرے[2] کہنے کی احتیاج نہیں
یہ عشق ایسا ہی ظالم ہے ہاں مرے صاحب

(ت)

کرے ہے تیغ آزمائی کے لیے وہ دلستاں منت | اگر اس واسطے مارا پڑے عاشق بجاں منت
برنگ نقش پا فارغ ہوں چشم دستگیری سے | اٹھا سکتا نہیں میرا یہ جسم ناتواں منت
اگر ہووے سخن سے آشنا اے گل دہن تیرا | عجب کیا ہے کرے سو بار غنچہ کی زباں منت

نہ سمجھے ہے نہ بوجھے ہے نہ جانے ہے نہ مانے ہے!
کروں اس بیوفا کی میں کہاں تک اے فغاں منت

کیا پیا پے جام تو پیتا ہے اے میخوار مست | شیشۂ دل کو چھپاتا ہیں در و دیوار مست
چشم پوشی اس قدر ساقی تجھے لازم نہیں | وہ پیالہ دے کہ ہو جاویں سبھی یکبار مست
لوٹنے دے پاؤں پر اپنے دل مخمور کو | ہے ہوش اپنے میں نہیں اسوقت ہے ناچار مست

۱؎ کتب خانہ الاصلاح، پنجاب یونیورسٹی اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخوں میں "میرا صاحب" ہے تذکرہ ہندی میں اس غزل کا مقطع "مرے صاحب" کے ساتھ درج ہے۔ ۲؎ تذکرہ ہندی قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تیری"

بے خودی کا جام کیفیت تماشا ہو گیا

چشم کس مےخوار کی دیکھی ہے گلشن میں کہ آج ہو گئی ہے اس قدر یہ نرگس بیمار مست

آج کس مےخوار کا پھوٹا ہے پھپھولا دشت میں لوٹتے ہیں پاؤں پر میرے ہوئے ہیں خار مست

اے فغاں کس کام آوے گا بہ لخت جگر

کیوں گزک تیار نہیں کہ تا ہوا ہے یار مست

میرا ہاں چشم یار وا برابر ہو سکتا ہے کیا قدرت کوئی میرے برابر آج رو سکتا ہے کیا قدرت

خدا جانے یہ کیوں کر لگ رہی ہیں نوک مژگاں سے کوئی ان موتیوں کے تئیں پرو سکتا ہے کیا قدرت

رقیب روسیہ گر شست و شو میں لائے لانے دو

میرے خوں کو تیرے دامن سے دھو سکتا ہے کیا قدرت

تجھ سے رقیب ہنستے یہ بھی[1] خدا کی قدرت ہم یوں رہیں[2] ترستے یہ بھی[3] خدا کی قدرت

دل دوں[4] میں روتے روتے یہ بھی نصیب میر جی لے تو ہنستے ہنستے یہ بھی[5] خدا کی قدرت

رب کی گلی سے لگنا بند قبا کو وا کر ہم پھر کر[6] ہیں کستے یہ بھی خدا کی قدرت[7]

پتھروں کے مول لڑکے لیتے نہیں ہیں ان کو[8]

سر یوں ہوئے ہیں سستے یہ بھی[9] خدا کی قدرت

(ث)

دام گیسو میں پھنسا جا کے میرے[10] یار عبث دل آزاد ہوا تو تو گرفتار عبث

جذبۂ عشق نپٹ خانہ خرابی یہ ہے حائل[11] یار ہوئے ہیں[12] در و دیوار عبث

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہے" [2] ایضاً ہم یوں ہی رہیں [3] ایضاً "ہے" [4] ایضاً دو دل میں [5] ایضاً "ہے" [6] ایضاً "ہے" [7] تینوں قلمی نسخوں میں "پر" ہے [8] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "سر کو" ہے [9] ایضاً "ہے" [10] ایضاً تو تو میرے یار [11] ایضاً حائل ہو گئے میرے (؟)

بے گناہوں کو کرے قتل تو وہ ظالم ہی
تجھ سے رکھتا ہی توقع یہ گنہگار عبث

قطعہ

ایک دن شیخ و برہمن سے فغاں کہتا تھا
کعبہ و دیر کی تم کرتے ہو تکرار عبث
خوب دیکھا تو مرے رشتۂ الفت کے حضور
تیری تسبیح غلط ہی تیرا زنار عبث

(ج)

ناصح نہ منع کر تو مجھے عاشقی سے آج
ایسا خیال کوئی نکلتا ہی جی سے آج

قاتل نہ اکہاں ہی نمک داں کو وا کرے
کہتا ہی شور زخم جگر تشنگی سے آج

یارو مرے مزار پہ آوے اگر وہ گل
پھولا نہ میں سماؤں کفن میں خوشی سے آج

آنکھیں پر اشک سینہ پہ آتش جگر کباب
حاصل یہ کچھ ہوا ہی فغاں عاشقی سے آج

دیتا نہیں ہی تو تو فغاں کا سلام آج
منہ دیکھ رہ گیا ہی ترا یہ غلام آج

قطعہ

کرتا ہوں میں جناب الٰہی میں یہ دعا
آجاوے اے خدا وہ مرا خوش خرام آج

بس یہ کہوں کہ اب تو ذرہ گوش دل سے سن
بیدرد ہو چلا ہی یہ قصہ تمام آج

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تیغ" ۲ ایضاً کیونکہ ۳ ایضاً میرا ۴ ایضاً "تن" ۵ ایضاً "یہ میرا" ۶ ایضاً "کہتا ہوں یوں جناب"

کیا پوچھتا ہی جان نکلنے کی تو خبر
ساعت میں کوئی دم میں ابھی صبح و شام آج

خدا کسی کو کسی[1] کا نہ اب کرے محتاج — خصوص جو تیرا محتاج ہو مرے محتاج

فغاں[2] کے تئیں نہ بلایا نہ لطف فرمایا — قطعہ — یہی سنا میں زباں سے کہ جا پرے محتاج

وہ رو سیہ[3] جو پھر آیا تو مت ملامت کر — غرض بری ہی میری جان کیا کرے محتاج

نہ التفات نہ مہر و وفا نہ لطف و کرم — قطعہ — غلط ہی اس کی سخاوت کا غل ارے محتاج

ہمیں تو خاک نہ دیوے گا وہ اذیت بن
جو یہ ہی حاتم طائی تو ہم تمرے محتاج

(ح)

رفو نے داغ جگر کو چھپا دیا ناصح — میرے چراغ کو ناحق بجھا دیا ناصح

نہ وہ تپاک نہ جوشش نہ اتحاد نہ ربط — غضب کیا اسے کیا کیا سکھا دیا ناصح

رفو کرے تھا جسے تو ہزار محنت سے — میں تار تار اس کو اوڑا دیا ناصح

ضرور کیا ہی نصیحت میں آوے یار کا نام — مجھے تو ہنستے ہی ہنستے رلا دیا ناصح

وہی جنوں وہی دیوانگی وہی وحشت
نصیحتوں کو فغاں نے بھلا دیا ناصح

(خ)[4]

---

[1] ایضاً کسو [2] ایضاً کیسے فغاں کو بلا کر نہ لطف فرمایا [3] ایضاً یہ رو سیہ پھر آیا [4] پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر ایک غزل کا مطلع یہ ہی "ہوا ہی نشتر مژگاں سے یہ جگر سوراخ کہاں خانۂ زنبور اس قدر سوراخ" مگر جلد بندی سے اس کے کچھ حصے ایسے کٹ گئے ہیں کہ پوری غزل نقل نہیں کی جا سکتی

ہم تو مرتے ہیں تڑپتے ہوئے زندان کے بیچ — مفت لٹتی ہی بہار آج گلستان کے بیچ[1]

ہی زیادہ یہ میرا زخم جگر اے قاتل — دیکھیو نون نہ کم ہووے نمکدان کے بیچ

مسکرانا ترا کیا کم ہی میاں تیغ نہ کھینچ — گیا مرا جی نہ نکل جائے گا اس آن کے بیچ[2]

موئے سر صاف دیوانوں کے نظر آتے ہیں — کیا مگر خاک نہیں آج بیابان کے بیچ[3]

یاد کر گوشۂ داماں کو اس ظالم کے — سخت الجھا ہی میرا دست گریبان کے بیچ

غل اٹھا مصرعہ حشمت کا فغاں زنداں میں[4]

پھر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

چمن کو چھوڑ کے بلبل مرے قفس کے بیچ[5] — خدا کسی کو نہ ڈالے کسی کے بس کے بیچ

رہا نہ قیس جہاں میں نہ ناقۂ لیلےٰ — کسی کی دے سکے صدا رہ گئی جرس کے بیچ

قطعہ

دل حزیں میرا نالاں ہو یوں[6] لگا کہنے — پڑا ہوں میں تو فغاں کس برے کے بس کے بیچ

اگر میں خاک بھی ہو جاؤں راہ میں اس کی — کہاں ہی رحم و کرم میرے دادرس کے بیچ

جو سر بلند ہوں دریائے عشق میں آکر

حباب وار خرابی ہی ایک[7] نفس کے بیچ

---

۱ یہ شعر چمنستان شعراء (صفحہ ۴۸۲) میں اس طرح درج ہی۔ ہم تو مرتے ہی تڑپتے پڑے زندان کے بیچ + مفت لٹتی ہی بہار آہ گلستان کے بیچ۔ ۲ نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ یہاں ۳ ایضاً کیا مری جان نکل جاویگی اس آن کے بیچ' چمنستان شعراء میں وہی مصرعہ ہی جو دیوان میں ہی' صرف جائیگا کے بجائے 'جاوے گا' ہی ۴ چمنستان شعراء دوالے ۵ نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ غل اٹھا مصرعہ حشمت کا دہ زنداں میں + پھر زنجیر کا جھنکار پڑا کان کے بیچ' چمنستان شعراء میں دوسرا مصرعہ اسطرح ہی۔ پھر ہی زنجیر کی جھنکار مرے کان کے بیچ۔ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ اور چمنستان شعراء میں اس غزل میں ایک اور شعر یہ ہی' میرے دلدار کو جو خواب میں دیکھے یوسف + شرم سے ڈوب مرے چاہ زنخدان کے بیچ ۶ نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ "موئے" ۷ ایضاً یوں ندارد ۸ ایضاً "یک"

تڑپے ہی دست پھر کسی آرزو کے پیچ[1] ناصح نہ دیجیو ہرگز رفو کے پیچ

داؤد کا بھی لحن فراموش ہو گیا اے نے بلا ہی درد ہی تیرے گلو کے پیچ

قاتل کا دادخواہ ہیں کیوں کر ہوں حشر میں

لوہو میرا بہا ہی دیا شست و شو کے پیچ[2]

(د)

چمن میں آج تو سنتا ہی اے فغاں فریاد اجڑ گیا کسی بلبل کا آشیاں فریاد

غلط ہی یہ کہ میری داد کو کوئی پہنچے سنے[3] گا کون تیری کیجیے کہاں فریاد

قطعہ

نہ مجھ سے پوچھ تیری کس طرح کٹیں راتیں[4] شب فراق میں یہاں تک تو کی فغاں فریاد

سحر کو یار سے اہل جوار کہتے ہیں کیا کرے ہی یہ بیمار ہر زماں فریاد

انھیں تو داد[5] ہی منظور مجھ کو نالہ کشی

ہوئے ہیں باعث ایذا یہ دو نہاں فریاد

(ر)

لکھنا[6] اے نامہ بر در و دیوار یار پہ گزرا جو کچھ الم[7] دل امیدوار پہ

مرتا ہوں زلف و عارض گلگوں یار پہ ٹک چشم وا کرو میرے لیل و نہار پہ

---

[1] پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر ایک غزل ہی جس کے قوافی و ردیف تصویر کھنچ، شمشیر کھنچ ہیں، مگر جلد بندی میں حاشیہ کے کٹ جانے سے پوری غزل پڑھی نہیں جاتی [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کسو" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع سے کون کہاں کیجیے پڑے فریاد [4] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کٹے" اس نسخہ میں اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہی: کیا کرے ہی یہ بیمار ہر زماں فریاد [5] ایضاً "درد" [6] مجموعہ نغز "رکھیو" [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ستم"

ممکن نہیں کہ غیر نہ ہو دستے[1] رکاب میں
تجھ کو خدا نہ لاوے ہمارے[2] مزار پہ

صحرا میں جا[3] اسے کوئی پامال مت کرد
مجنوں[4] کا جسم رہا ہے لہو خار خار پہ

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
اتنا[5] نہ تھا گمان تیرے صبر و قرار پہ

برابر[6] ہوگیا حرماں سے دیکھا وصل یار آخر
یہ کچھ لایا ہماری چشم اوپر انتظار آخر

میری آنکھوں میں اشک سرخ مثل گل شگفتہ تھے
پلک کے مارتے ہی ہو گئی وقفِ بہار آخر

اگرچہ ساغر چشم بتاں رکھتا ہے کیفیت
پر اس بادہ کسی کا کھینچنا ہم کو خمار آخر

توقع کیا رکھے کوئی کسی سے اس زمانہ میں
ہوا ہے دشمن جانی وہ میرا دوستدار آخر

کیا ہے چاک جیب صبر کو دست تمنا نے
فغاں کیا ہوگیا وہ وعدۂ بوس و کنار آخر

آج[7] تو سنتا ہوں گلشن کے لٹانے کی خبر
آہ کیوں کر لوں میں اپنے آشیانے کی خبر

دیکھتا ہوں کچھ غبار آلودہ گرد کے تئیں[8]
کیا اسے پہنچی ہے میرے خاک اڑانے کی خبر

پی کے اشک چشم کھا لخت جگر رہتا ہوں سیر
گو نہ[9] لے صیاد میرے آب و دانے کی خبر

بغیر ساقی یہ ابر ظالم ستم کرے گا برس برس کر
بھریں گے کیوں کر یہ ساغرے مرینگے میکش ترس ترس کر

یہاں تلک تو بہا ہے تیرا خوں ہوا ہے جامہ تمام گلگوں
گیا وہ قاتل تڑپ چکا تو اے مرغ بسمل اب آ کے بس کر

---

[1] مجموعۂ نغز "نہ ہو دیں" [2] مجموعۂ نغز، تذکرۂ ہندی، گلشن بے خار "نہ لاسکے" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "جا" ندارد

[4] ایضاً "مجنوں کا جسم ہا لہو خار خار پر" [5] ایضاً و تذکرۂ ہندی "اتنا تک گمان نہ تھا ترے صبر و قرار پر" گل رعنا (صفحہ ۱۱۵) میں "تک"

[6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں یہ شعر اس طرح ہے: برابر ہوگیا حرماں سے میرے یار کا آخر / یہ کچھ لے آیا ہمارے سر کے اوپر انتظام آخر [illegible] [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "دام میں سنتا ہوں گلشن کے جلانے کی خبر" [8] ایضاً "میں" ندارد

[9] ایضاً "کون لے صیاد" اس نسخہ میں ایک شعر فاضل ہے: آج پھرتا ہے فغاں تنہا نہ آ شہر میں / کیا نہیں لیتے ہیں لڑکے اس دیوانے کی خبر

نہ اشک آنکھوں میں اب رہیں گے جگر کے ٹکڑے بھی کب رہیں گے

سحر چلے گا یہ قافلہ سب فغاں دل اپنے کو تو جرس کر

شبِ فراق میں دیا جگر کو داغ ضرور
جہاں ہی خانۂ تاریک واں چراغ ضرور

کیا ہی قافلہ اشک کو[1] رواں میں نے[2]
دلِ غریب کا لینا مجھے سراغ ضرور

بجا ہی جوشش دل[3] تیری چشمِ میگوں سے
کہ رند کوئے خرابات کو ایاغ ضرور

عجب نہیں کہ نہ ہو اشک میری آنکھوں میں
مریض عشق کو[4] ہی خشکی دماغ ضرور

تیری گلی میں رہوں[5] میں چمن سے کیا مطلب

ترے فغاں کو تو چنداں نہ سیر باغ ضرور

کرتا ہی دم بدم میری آنکھوں[6] میں آب گھر
تیری[7] بلا سے گر ہو کسی کا خراب گھر

ہوتا اگر نہ خانہ خرابی میں[8] کچھ مزا
کاہی کو بحرِ بیچ ڈوباتا حباب گھر

اس واسطے نہ یہاں کوئی آتا ہی خوب رو

مشہور ہی فغاں تیرا خانہ خراب گھر

(ز)

یہ امتحان نہ کر اے میرے[8] مہربان عزیز
کوئی جہان[9] میں تجھ سے رکھے گا جان عزیز

نہ ارتباط[10] نہ انصاف نہ سخن شنوی
یہ کیا ستم[11] ہی کہا بھی کسی کا مان عزیز

---

[1] ایضاً "کون" [2] ایضاً "برسوں" [3] ایضاً " [4] ایضاً "کون" [5] ایضاً "سے" [6] ایضاً "اس کی بلاسے" [7] ایضاً "کا" [8] ایضاً میرے۔میرے" "تذکرۂ حسن" مرے

[9] تذکرہ میر حسن۔ جہاں میں کوئی تجھ سے رکھے گا جان عزیز' نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ کوئی جہاں میں رکھے ہی تجھ سے جان عزیز [10] ایضاً [11] ایضاً یہ کیا ستم ہی کسی کا کہا ہی ماننا عزیز

کہاں امید کہ جیتا پھرے میرا قاصد
اسے تو کب ہی میرے نامہ بر کی جان عزیز

ہی آرزوئے گریہ مجھے چشم تر ہنوز — نکلا نہیں ہی قطرۂ خون جگر ہنوز
وہ کشتنی ہوں میں کہ میرا یار بعد قتل — ضد سے تو کھولتا نہیں اپنی کمر ہنوز

آ خاک پر کھیے ہی میری استخوان کو دیکھ
اس نے بس رہ گیا ہی فغاں کا اثر ہنوز

(س)

مر گیا سر کو پٹک کر کون گرفتار قفس[1] — کس کے لو ہو سے ہی گلگوں در و دیوار قفس
جی نکل جائے میرا کشمکش دام میں کاش — نہ گرفتار چمن ہوں نہ گرفتار قفس[2]
خانہ مرغ گرفتار نہ آباد رہی — یا الٰہی نہ لٹا دے کوئی بازار قفس

جور صیاد سے کیا شرط وفا کی یہ ہے
پھیر آزاد نہ ہووے یہ گرفتار قفس

ناقہ لیلیٰ صدا دیتی رہی داد جرس — اے دل نالاں ہوئی ضائع نہ فریاد جرس
ایک دن سونے نہ پایا دشت میں مجنون غریب — نت جگاتا ہی رہا ہو خانہ برباد جرس

اے فغاں پہنچا ہی کیا صدمہ کہ یہ خاموش ہی
اس دل نالاں کو میں سمجھوں تھا استاد جرس

(ش)

نہیں جفا سے خفا ہوں نہ میں وفا سے خوش — رہی ہی یہ دل محزوں تیری رضا سے خوش[3]

---

[1] ایضاً مر گیا سر کو پٹک کر کے گرفتار قفس ، کس کے لوہوں سے ہی رنگین در و دیوار قفس [2] ایضاً قفس [3] ایضاً تری ادا سے

(ص)

کبھی نہ گل سے محبت نہ بو سے ہی اخلاص
تجھے بھی دہر میں ظالم کسو سے ہی اخلاص

خدا کے واسطے آس سے ہاتھ اٹھا ناصح
نہ میرے چاک جگر کو رفو سے ہی اخلاص

موافقت کو اے ساقی مناسبت ہی شرط
تبھی تو شیشۂ دل کو سبو سے ہی اخلاص

ہوا ہی آہ شرر بار سے تیرے ثابت
فغاں تجھے تو کسی شعلہ رو سے ہی اخلاص

(ط)

خاکساری نہ میری ہو میرے اللہ غلط
نقش پا تو میں ہوا ہوں نہ کرے راہ غلط

کس[1] کی قدرت کہ جو بولے کوئی وہاں حرف غرور
جانتا ہی وہ میری عجز کو[2] ہر گاہ غلط

شاہد حال ہی یہ مصرعۂ امید فغاں
کاہیکو بولتے ہیں مردم آگاہ غلط

قطعہ

اول عشق میں ناحق مجھے اخراج کیا
بعد آیا تو عبث فائدہ باللہ غلط

اب مجھے دیوے اذیت تو سزا ہی میری
کردہ ام مرتبہ ہم بندۂ درگاہ غلط

(ظ)

تمہارے جور سے گو غیر کم ہوئے محظوظ
جو ہم سے پوچھتے ہو تم تو ہم ہوئے محظوظ

ہزار بار میری تشنگی کے کام آئے
تیری تو تیغ سے ہم دمبدم ہوئے محظوظ

ہوا ہی وا تیری شمشیر[3] سے خط تقدیر
شہید عشق تیرے یک قلم ہوئے محظوظ

---

[1] ایضاً کس کی قدرت ہی کہ وہاں بولے کوئی حرف غرور [2] ایضاً کون [3] ایضاً سر شمشیر سے

فغاں رضا ہی جا ہی ہو جیسے تسلیم
نصیب عیش ہوا یا کہ غم ہو شے محظوظ

(ع)

اشک میرے کا نہ ہووے کبھی طوفاں مانع
ہو مگر یار تیرا گوشۂ داماں مانع

ہی نہ یارِ نگہِ عالم بہ میرا زخم جگر
لیک اس پردہ دری کا ہی گریباں مانع

آپ میں خانۂ زنجیر میں رکھتا ہوں قیام
میری وحشت کا ہوا کب در زنداں مانع

گوشۂ فقر سے جنبش نہ کروں تا دم مرگ
اے فغاں ہو نہ اگر گردش دوراں مانع

(غ)

نہ کوئی گور غریباں اوپر جلائے چراغ
جلے ہی داغ دل عاشقاں بجائے چراغ

نکل پڑا ہی میرے پیرہن سے شعلۂ دل
چھپے نہ پردۂ فانوس میں ضیائے چراغ

یہاں تلک تو جلا دل کہ لوگ کہتے ہیں
یہی ہی تاج سر شمع و خاکپائے چراغ

فغاں یہ رشک مجھے داغ داغ کرتا ہی
کوئی نہ دل سے برابر جلا سوائے چراغ

ظاہر ہی میرے سر سے قدم تک اثرِ داغ
کر دے نہ کہیں سرد چراغاں شررِ داغ

کچھ آج زیادہ ہی تیری گرمی مجلس
پہنچی ہی کسی سوختہ دل کی خبر داغ

رکھتا ہی جگر یہ کہ تیری تیغ کے آگے
ہو مرہم زنگار کا پھایا سپر داغ

لہ ایضاً ہوا

بے طرح ہی آتشکدۂ عشق کی سوزش کب ہووے سمندر میرا دربان و دردا غ
مجھ کو تو شب و روز فغاں پوچھتے رہنا
ناسور ہوئی کیا یہ میری چشم تر داغ

(ف)

بھر رہی ہی آستیں لو ہوے داما یکطرف پڑ گئے ہیں چاک سینہ میں گریباں یکطرف
بزم میں اس کی برنگ صورت دیوار ہوں آئینہ رو یکطرف یہ چشم حیراں یکطرف
دیر و کعبہ میں بھی یہی فریادی تیرے موجود ہیں سر پٹکتا یکطرف ہندو مسلماں یکطرف
ان بلاؤں سے فغاں جا بیر نظر آتا نہیں
تیغ ابرو یک طرف ہی تیر مژگاں یکطرف
پاؤں چلتے ہوئے دیکھے تو بیاباں کیطرف ہاتھ اٹھتے نظر آئے تو گریبان کیطرف
نہ مجھے دیر سے مطلب نہ غرض کعبہ سے میں نہ ہندو کی طرف ہوں نہ مسلماں کیطرف
کیا بہار آئی ہی گلشن میں کہ یاران عزیز لے چلے پھر میرے یوسف تجھے زنداں کیطرف
یاالہٰی یہ جگر کس کا نشانہ ہوگا دل کو جاتے ہوئے دیکھا صف مژگاں کیطرف
یار بر باد تو دیتا ہی میرے خون کو لیک
نہ اڑے چھینٹ کہیں گوشۂ داماں کی طرف

(ق)

تجھ پر دل عشاق میرے یار تصدق یک بار تصدق نہیں سو بار تصدق

۱؎ ایضاً بھر آیا ہی آستیں ۲؎ ایضاً ہو گئے ہیں

صدقے اسے ہونے دے دگر نہیں ہیں ہوتا ہے ابھی مرغ گرفتار تصدق
اے شوخ تیرے چہرۂ گلنار کے اوپر قطعہ قربان ہے بلبل گل و گلزار تصدق
اپنے دل یوسف کو اگر جا کے دکھاؤں
ہو جاوے فغاں مصر کا بازار تصدق

ہیں بادۂ ناب کے تصدق اس عالم آب کے تصدق
کتنا ہی برشتہ یہ جگر ہے اس بوئے کباب کے تصدق
آباد ہو دل سے خانۂ عشق اس خانہ خراب کے تصدق
بے سوز نہیں فغاں رگِ دل
اس تارِ رباب کے تصدق

ک

طاقت کہاں کہ جائیے قاتل کے گھر تلک لے جاوے سیل اشک مگر اس کے در تلک
خاموش ہو چلا ہے سرِ شام داغ دل یہ وہ نہیں چراغ کہ ٹھہرے سحر تلک
یہ زخم دل ہے چاک گریباں نہیں فغاں
اس گھاؤ کو نہ پوچھ کہ پہنچا جگر تلک

مجھ سے جدا رہے گا میرے یار کب تلک امید پر جیے یہ گرفتار کب تلک
اس کے لیے تو شربت دیدار چاہیے خون جگر پیے دل بیمار کب تلک
آتا ہے جب جلال میں وہ ترک تند خو کرتا ہوں بس فغاں کہ میرے یار کب تلک
ظالم تیرے غرور کا[1] ہوتا رہے حریف قطعہ یہ عجز و انکسار تو ہر بار کب تلک
گردن کہاں تلک میں جھکائے رہوں یہاں مجھ سے موڑے رہے[2] تیری تلوار کب تلک

---

[1] ایضاً "کا" ندارد [2] ایضاً یہ رہی

طاقت تو طاق ہو گئی صبر و قرار کی
منہ دیکھتا رہے یہ گنہگار کب تلک

گو دست رس نہیں میری دست نگار تک / پہنچوں گا پر زرنگ حنا پائے یار تک
دریائے عشق میں دل بسمل برنگ موج / ایسے ہی دست و پا کہیں پہنچے کنار تک
اتنا تو میری خاک کو برباد دے صبا / یہ گرد تا بلند ہو اس شہسوار تک

اس جنس کا ملے جو خریدار اے فغاں
بیچوں ہوں دل کو ایک سے لے کر ہزار تک

(ل)

خریداروں کو ہنستا ہے میرا دل / جو تو لیوے تو سستا ہے میرا دل
یہ جانا میں کہ تم ہو گو وہ تمکین / ذرہ بولو ترستا ہے میرا دل
میں دیوانہ ہوں اس کی رسمی کا / صف مژگاں میں دھنستا ہے میرا دل
گرہ دے رکھ نہ ان کو کھول ظالم / ابھی زلفوں میں پھنستا ہے میرا دل

فغاں شاید چمن میں گل کھلے ہیں
کہ جوں غنچہ کستا ہے میرا دل

دیکھے اگر تجھے تو نہ پھر دیکھے روئے گل / جاتی رہے دماغ سے بلبل کے بوئے گل
ہے بیم چشم بد پہ بلبل کو مثل حرز / تو اے نسیم باندھنا جا کر گلوئے گل
مرغ قفس ہوں میں مجھے سیر چمن ہے کیا / نے اشتیاق گلشن و نے آرزوئے گل

آوے اگر وہ روئے عرق ناک باغ میں
جاتی رہے چمن سے فغاں آبروئے گل

تو ان بتوں سے عبث آشنا ہوا ہے دل / یہ طرح کونسی ہے تجھ کو[۵] کیا ہوا ہے دل

---

۵ ایضاً تجکوں

بھرے ہی لوٹتا ہر ایک نقش پا اوپر کسی کے پاؤں سے شاید ملا ہوا ہی دل

ہوا ہوں ننگ گریباں کو چاک کرائے دوست
کہیں کھلے بھی بلا سے خفا ہوا ہی دل

(م)

لے گور میں چشم تر گئے ہم روتے روتے ہی مر گئے ہم
ہی دل میں خدا حرم میں کیا ہی بھٹکے بھٹکے کدھر گئے ہم
شب روز کٹی تھی یار کے ساتھ ہوتے ہی سحر کے مر گئے ہم
دیکھا نہ فغاں کیا میرا جی ادھر گیا ادھر گئے ہم

اپنی ہی مے سے اپنے ساغر کو بھر گئے ہم خونابہ جگر کو پیتے ہی مر گئے ہم
دست تہی چلے پھر ہستی سے ہم عدم کو کچھ واں نہ لے چلے ہم کچھ یہاں نہ کر گئے ہم
ساقی بجائے بادہ مینا میں اشک بھر لے اس میکدہ سے روتے جوں ابر تر گئے ہم

دل میں کیا درد ہی واللہ اعلم آہ کیوں سرد ہی واللہ اعلم[۲]

---

[۱] ایضاً خفا ہوا ہوں، اس نسخہ میں ایک شعر فاضل ہی: خدا کے واسطے مجھ دل جلے سے نہ مل پنہیں لے گا نیاست ہوا (؟) ہوا ہی دل [۲] مجموعۂ نغز صفحہ ۲۷۶ یہ اس غزل کے مصرعے حسب ذیل ہیں:-

رنگ کیوں زرد ہی واللہ اعلم آہ کیوں سرد ہی واللہ اعلم
چشم کیوں تر ہی خدا ہی جانے دل میں کیوں درد ہی واللہ اعلم

نسخۂ خان بہادر محمد شفیع میں صرف حسب ذیل ایک شعر ہی:

دل میں کیوں درد ہی واللہ اعلم آہ کیوں سرد ہی واللہ اعلم

چشم کیوں نم ہی خدا ہی جانے　　رنگ کیوں زرد ہی واللہ اعلم

سہل جو عشق کو جانے ہی فغاں

کون سا مرد ہی واللہ اعلم

(ن)

قید سے کیوں کر رہا ہوں کہ گنہ گار ہوں میں　　بال و پر گو نہیں رکھتا پہ گرفتار ہوں میں

داغ عشاق کو ہی پردہ نشینی بہتر　　کیا دکھاؤں جگر اپنا کہ دل افگار ہوں میں

مت ڈبونا مجھے ظالم کہیں طغیانی میں　　آہ اے اشک تیرا قافلہ سالار ہوں میں

نہ سروکار ہی بلبل کو نہ گل کو مجھ سے　　گلشن دہر میں خار سر دیوار ہوں میں

سن کے اس مطلع بتیاب کو کہتا ہی فغاں　　کھینچیے تیغ میری جان کہ تیار ہوں میں

قتل گو کیجیے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں

ہاں میاں تشنۂ آب دم تلوار ہوں میں

دیکھیے خاک میں مجنوں کی اثر ہی کہ نہیں　　دشت میں ناقۂ لیلیٰ کا گذر ہی کہ نہیں

وا اگر چشم نہ ہو اس کو نہ کہنا پی اشک　　یہ خدا جانے صدف بیچ گہر ہی کہ نہیں

قطعہ

ایک نے مجھ کو ترے در کے اوپر دیکھ لیا　　غیر اس در کے تجھے اور بھی در ہی کہ نہیں

آخر اس منزل ہستی سے سفر کرنا ہی　　اے مسافر تجھے چلنے کی خبر ہی کہ نہیں

توشۂ راہ سبھی ہم سفراں رکھتے ہیں

تیرے دامن میں فغاں لخت جگر ہی کہ نہیں

بارندگی کرے گر رحمت مثال باران　　بخشے کبھی نہ جاویں تیر گناہ گاران

شب گھر میں مدعی کے خورشید رو تھا روشن　　افطار بھی نہ کرنے پائے یہ روزہ داراں
کتنے عنان گرفتہ رہ گئے ہیں اسپ وحشی　　میدان پڑا ہی خالی مر گئے وہ شہسواراں

درد دل فغاں سے آگاہ ہیں تو یہ ہیں
جلتے رہیں الٰہی دنیا میں غم گساراں

مجھے دشنام تو دیتا ہی میں سن سن کے روتا ہوں　　اگر تو در اگلتا ہی تو میں موتی پروتا ہوں
برنگ صورت دیوار میں ہوں کشتۂ حیرت　　نہ کہتا ہوں نہ سنتا ہوں نہ ہنستا ہوں نہ روتا ہوں
میرے ہر صبح فریادی نہ ہو دیں کیونکہ ہمسایہ　　جگاتا ہوں سبھی کو میں کہاں بے چین سوتا ہوں

نہیں برداشت ہرگز طبع کو باد مخالف کی
حباب آسا فغاں میں خانماں اپنا ڈبوتا ہوں

کھا پیچ و تاب مجکو ڈسیں[۱] اب[۲] یہ کالیاں　　ظالم اسی لیے تیری[۳] زلفیں تھیں پالیاں
تنہا نہ در کو[۴] دیکھ کے گرتے ہیں اشک چشم　　سوراخ دل میں کرتی ہیں کانوں کی بالیاں

قطعہ

دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہیں مجھے　　چلنے لگا وہ شوخ میرا[۵] تب یہ چالیاں
ہر بات پیچ روٹھنا ہر دم میں ناخوشی　　ہر آن دکھنا[۶] مجھے ہر وقت گالیاں
ایذا ہزار ایک[۷] طرح سے دینی غرض مجھے　　کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحیں نکالیاں
ہم نے شب فراق میں سنتا ہی اے فغاں　　کیا خاک شوق[۸] کے حسرتیں دل کی نکالیاں

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ڈسے" ۲؎ آب حیات (ص ۱۱۶) "وہ" ۳؎ آب حیات "تیں نے" ۴؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کون" ۴؎ آب حیات "مرا" ۵؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "دیکھنا" ۶؎ ایضاً "ہزار" ۷؎ آب حیات "سینہ دینا" ۸؎ تذکرہ میر حسن (ص ۱۳۲) "خاک ہو کے" مجموعہ نغز ع - کیا کیا مزے سے حسرتیں دل کی نکالیاں

یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں[1] گے روز وصل
آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں ہیں کالیاں

ناحق اجاڑتا ہی میرے آشیاں کے تئیں — حاصل ہووے گی خاک مگر باغباں کے تئیں
شعلہ ہماری آہ کا ہوتا چلا بلند — نزدیک ہی کہ آگ لگے آسماں کے تئیں
اڑ جائے گا ہما تیرے سایہ کا یہ[2] اثر — مت پر لگا ہو تو میرے استخواں کے تئیں
لازم ہی دل جلوں کا نہ اظہار راز ہو — اے شمع قطع خوب ہی تیری زباں کے تئیں
دیکھے اگر بھویں میرے بانکے[3] کی یک نظر — رستم قسم ہی پھینک دے اپنی کماں کے تئیں

خلوت میں وہ ہو جام ہو مطرب ہو اور شراب
یہ دن خدا دکھاوے ہمارے[4] فغاں کے تئیں

گر بعد قتل لب کو سخن سے میں وا کروں — تیرے ہی دست و تیغ کو قاتل دعا کروں
رخصت نہیں قفس میں پر و بال کھولیے — کس دام میں پھنسا ہوں الٰہی میں کیا کروں[5]
کیا فخر ہی صنم تجھے پوجے ہی برہمن — میرا جو بس چلے تجھے کافر خدا کروں
ہر رات بزم وصل میں جوں شمع پر پتنگ — ہی آرزو یہی تیرے صدقے ہوا کروں
اتنی تو چرخ دے مجھے قدرت کہ خاک ہو — ہر صبح و شام یار کے در پہ اڑا کروں

مجھ کو فغاں قسم ہے یہ ہی شرط عاشقی
میرا اگر برا ہو پہ اس کا بھلا کروں

۱ے آب حیات۔ ہیگا یہ روز وصل ۲ے نسخہ خان بہادر محمد شفیع "وہ"
۳ے نسخہ خان بہادر محمد شفیع تیری بانکی وہ یک نظر ۴ے ایضاً اے یارو فغاں کے تئیں
۵ے تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۳)
اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں — کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں

تدبیر سے تو گذرا تقدیر اور میں ہوں — شمشیر اور قاتل تقصیر اور میں ہوں
ابرو کو چھوڑ کر دل مژگاں طرف موڑ اٹھا — بلبل ہے اور گل ہے زنجیر اور میں ہوں
دیکھیں نہ خواب راحت آنکھیں مفارقت میں — یہ دل ہے اور وحشت تعبیر اور میں ہوں
اے بلد یا چمن میں اب کی بہار آوے — بلبل ہے اور گل ہے زنجیر اور میں ہوں

مجھ روسیہ کی حالت روز جزا میں کیا ہو
تقصیر اور دل ہے تقدیر اور میں ہوں

امتحاں[۱] کیجیے اے اہل جفا آتا ہوں — میں تیرے پاس لیے اپنی وفا آتا ہوں
مت رہا جانیو مجھ کو اے غریبانِ وطن — تم چلو میں بھی کوئی دم کو چلا آتا ہوں
طائر خانہ فراموش ہے تیرے گھر کو — آشیاں جان کے اپنا میں اڑا آتا ہوں
ہو چکے غنچہ و گل آج چمن سے رخصت — میں بھی ہر ایک کو چھاتی سے لگا آتا ہوں

کیوں نہ ہو وے یہ فغاں خار مغیلاں سرسبز
آج اس دشت میں میں آبلہ پا آتا ہوں

نے داد خواہ ہوں نہ گریباں دریدہ ہوں — خستہ جگر ہوں چاشنیِ غم چشیدہ ہوں
مانند اشک پردۂ دل ہے میرا مقام — آیا ہوں راہ دور سے محنت کشیدہ ہوں
محروم رہ گیا تیرے بوس و کنار سے — حسرت بھرا ہوں دشت تاسف گزیدہ ہوں
ہاتھوں سے غیر کے تیرے زانو پہ جوں کماں — گو سر جھکا رہا ہوں ولیکن کشیدہ ہوں

کیا خاک سبز ہو میرا داغ جگر فغاں
میں موسم خزاں میں گل نو دمیدہ ہوں

---

[۱] یہ غزل پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر تھی

نہ لائق قفس نہ سزا وار باغ ہوں
جوں خار خشک میں سر دیوار باغ ہوں

یک دم نگاہ گرم سے دیکھا تھا گل کے تئیں
اتنا ہی عندلیب گنہگار باغ ہوں

اے باغبان جلا نہ میرے آشیاں کے تئیں
میں خانماں خراب گرفتار باغ ہوں

رکھتا نہیں ہوں ہاتھ میں کچھ غیر مشت پر
اتنی بساط پہ میں خریدار باغ ہوں

مانند لالہ داغ ہے دل میں میرے فغاں
گو ہوں جگر جلا پہ سزاوار باغ ہوں

عاجز ہوں تیرے ہاتھ سے[1] کیا کام کروں میں
کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

گر روز جزا داغ شب ہجر دکھاؤں !
تو صبح قیامت کے[2] تئیں شام کروں میں

تا حشر نہ کم ہووے گی ظالم طپش دل
کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں

جاتا ہے[3] فغاں قافلۂ ہم سفران[4] کل
کچھ راہ کے چلنے کا سرانجام کروں میں

بچا ہے[5] جب سے میرا گلعذار آنکھوں میں
خزاں ہوئی ہے چمن کی بہار آنکھوں میں

تیری گلی میں مجھے احتیاط کرنا[6] ہے ضرور
بجائے اشک رکھوں[7] ہوں غبار آنکھوں میں

کبھی جو خواب سے ہو آشنا تو کور ہو چشم
ہمیں کٹے[8] ہیں یہ لیل و نہار آنکھوں میں

نگاہ یار سے ہم رہ گئے فغاں محروم !
ملا لیا نہ مجھے ایک بار آنکھوں میں

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد تسفیح "کو" [2] مجموعۂ نغز "تا حشر بھی کم ہوگی نہ ظالم تپش دل

[3] نسخہ خان بہادر محمد تسفیع "جا ہیتا ہے" [4] ایضاً و مجموعہ نغز و تذکرہ ہندی "ہم نفسان

[5] نسخہ خان بہادر محمد تسفیح میں مطلع یہ ہے:

سبک ہوا ہے دل امید وار آنکھوں میں
غضب رچا مژہ انتظار آنکھوں میں

[6] ایضاً "نہ" [7] ایضاً "ہوں" ندارد [8] ایضاً "کٹے ہے"

نے شعلہ و نے برق و نہ اخگر نہ شرر ہوں   میں عاشقِ دل سوختہ ہوں تفتہ جگر ہوں

زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک   میں کشتۂ الفت نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں

افسردہ نہ کر دل کو مرے یار کہ جوں شمع   مہمان میں تیری بزم میں تا وقتِ سحر ہوں

اس کو تپشِ دل نے کشش نانہ میں کھینچا   باللہ کہ میں اپنے لیے آپ حذر ہوں

مت خاک میں تو مجھ کو ملا یار کہ جوں اشک   میں دیدۂ تحقیق کا منظورِ نظر ہوں

پھینکے ہے فغاں مجھ پہ فلک سنگِ حوادث
یہ شیشۂ دل لیکے میری جان کدھر ہوں

شمع رو خلوت میں مت جیوے ترے پروانے کے تئیں   اے تیرے قربان میں کیا کم ہو جلجانے کے تئیں

مے نہیں مینا نہیں ساغر نہیں ساقی نہیں   جی میں آتا ہے لگا دوں آگ میخانے کے تئیں

خاک دیتا ہے مرے سر پہ اڑا اپنے کو سدا   کس قدر الفت ہے وحشی سے ویرانے کے تئیں

یہ نہ ہووے کشمکش سے زلف پہ آوے خلل   دل الجھتا ہے ہمارا دوڑ کر شانے کے تئیں

اے فغاں شاید کہیں ملتے نہیں دنیا میں سنگ
ہاتھ اب ملتے ہیں لڑکے دیکھ دیوانے کے تئیں

کہتا ہے یہ بہشت میں مستوں کو جا نہیں   زاہد کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں

راضی نہیں فلک کوئی خنداں ہو ایکدم   گلشن میں دیکھتا ہوں تو غنچہ بھی وا نہیں

یکدم میں دیکھ لے تیری تلوار کا غرور   رستم تجھے کہیں مرا بانکا ملا نہیں

تیرے فغاں مذاقِ سخن کو بھلا دہ کیا

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہوں" ۲ ایضاً "یں" ۳ ایضاً "بکیے" ۴ ایضاً "ہو" ندارد ۵ سخن شعراء "کی" ۶ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بھی" ندارد ۷ ایضاً "توں" ۸ ایضاً تر دار ۹ ایضاً کہیں تجھے ۱۰ ایضاً مجھ دل جلے فغاں کو مذاق سخن کہیں

سمجھے گا خاک درد سے جو آشنا نہیں

ہو کر تیرے[1] قفس سے میں آزاد کیا کروں — بے بال و پر ہوں اے میرے[2] صیاد کیا کروں

نہ زندگی میں وصل میسر نہ بعد مرگ — تیرا علاج اے دل ناشاد کیا کروں[3]

اتنا بھی خوں بہا نہ کہ ہوتی نہ تیغ سرخ[4] — قربان تیرے اے میرے جلاد کیا کروں

دل[5] کو کچھ اور غیر خرابی نہیں پسند — اس خانماں خراب کو آباد کیا کروں

کہنا فغاں ہماری طرف سے ندیم کو
اب دل تو جا چکا بھلا استاد کیا کروں

کٹی ہیں یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی[6] ٹریاں — لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں

ملا آتا ہے میرا خون دل اس اشک گلگوں میں — نظر کچھ آ رہیں چنیاں یاقوت کی جڑیاں

فغاں طوق محبت کیا مبارک ہو گیا مجھ کو
گلے میں کھب رہی ہیں آہ سب زنجیر کی کڑیاں

اس تیغ کا فغاں کوئی ہووے سپر کہاں — رکھتے ہیں دل سبھی پہ میرا سا جگر کہاں

یہ ہے غلط کہ وہ دل سنگین ہوا ہے نرم — مر گئے ہم آہ بھرتے ہی بھرتے اثر کہاں

جانا ہوئے یہ دیدۂ عشاق فرش رہ — لیکن میرے صنم کا ادھر کو گذر کہاں

مانع رہا فغاں کہ نہ آوے کوئی رقیب
پر خانماں خراب کے دربان و در کہاں

کیا تجھ سے خوش رہے دل ناشاد رفتگاں — اتنا بھی تو نہیں[7] جو کرے یاد رفتگاں

---

[1] تذکرہ ہندی "ترے" [2] ایضاً "مرے" [3] ایضاً نسخہ خان بہادر محمد شفیع اور گل رعنا ص۱۱۹، عاجز ہوا ہوں اے دل ناشاد کیا کروں [4] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کہ ہوتا میں سرخرو" [5] ایضاً کون [6] تذکرہ میر حسن ص۱۴۵ "نہیں تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی ٹریاں" (جو بالکل غلط ہے) [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع : کہ

واماندگان راہ عدم گوش کیجیو! بانگ جرس نہیں یہ ہے فریاد رفتگان
اے سیل اشک تو تو ذرہ نقش پا کو دیکھ جاتی رہے نہ دہر سے بنیاد رفتگان
رکھتا ہو جو سکت سو فغاں یہ غزل کہے
ہاں مرشد زمانہ واستاد رفتگان

مبتلائے عشق کو اے ہمدماں[1] شادی کہاں آ گئے اب تو گرفتاری میں آزادی کہاں
ایک میں تو قتل[2] سے خوش ہوں ولیکن[3] مجھ بغیر پیش جاوے گی میرے[4] قاتل پہ جلادی کہاں
کوہ میں مسکن کبھی لیتے کبھی صحرا کے بیچ[5] خانۂ الفت ہو ویراں ہم کو آبادی کہاں[6]
مجھ کو کہتا تھا فغاں مت پھنس پھسا تو ہی ندیم[7] اے میرے استاد اب یہاں تیری استادی کہاں[8]
کاش آجاوے قیامت بھی کہے دیوان حشر[9]
وہ فغاں جو ہو گئی بیداں[؟] چاک فریادی کہاں

نہ اے قاصد میں رو رو یار کی فریاد کرتا ہوں[10] تیرا منہ دیکھ[11] کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
بہار آئی ہے میرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑنی ہے[12] مبارک ہو جنوں گھر کو تیرے آباد کرتا ہوں
لب خنداں کو میرے دیکھ کیا شاداں کوئی ہووے میں ہنس ہنس غم کو گل کی روش برباد کرتا ہوں
فغاں گر وا نہیں در یار کا جا اس کے کوچہ میں
اڑا کر خاک سر پہ دل کو اپنے شاد کرتا ہوں

---

[1] مجموعۂ نغز "ہمدموں" [2] آب حیات "میں" نسخہ خان بہادر محمد شفیع: قتل سے ہوں خوش [3] آب حیات مجھ سوا [4] ایضاً مرے [5] ایضاً کوہ میں مسکن کبھی ہے اور کبھی صحرا کے بیچ بس [6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع: مجھ کو کہتا تھا نہ پھیس پھس گیا تو اے ندیم ، اے مرے استاد اب یہ تیری استادی کہاں [8] آب حیات: کاش آجاوے قیامت اور کہے دیوان حشر نسخہ خان بہادر محمد شفیع: کاش اوجاوے قیامت ہی کہیں دیوان حشر [9] مخزن نکات (ص ۴۳) [10] تذکرہ میر حسن ع تیرے دیکھے سے میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں [11] نسخہ خان بہادر محمد شفیع: پڑتی ہیں

آہ کم ہو مجھ دل سوزاں کے مرجانے[1] سے نہیں
شمع کو آزادگی سر کے گذر جانے سے نہیں

کیا کروں پاس وفا ہے[2] ورنہ اے صیاد دیکھ
قوت بازو میری کم مشت پر جانے سے نہیں

کیوں نہ[3] روتا جاؤں میں بھی سیر کو گلشن میں جو
ابر کی خوبی بغیر از چشم تر جانے سے نہیں

دیکھیو قاتل اسے مت شست و شو میں لائیو
خوں میرا ثابت تیرے دامن کے بھر جانے سے نہیں

تو عبث لکھتا ہے اے کاتب فغاں بیمار ہے
اس میرے دشمن کو شادی اس خبر جانے سے نہیں[4]

اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں
کس گرفتاری میں آیا ہوں الہی کیا کروں

اشک غلطاں کو میرے چشم حقارت سے نہ دیکھ
تو سہی اے ابر اس قطرہ کو میں دریا کروں

اور کچھ تو فائدہ معلوم چاک جیب سے
دل تو کھل جاوے اگر بند قبا کو وا کروں[5]

نالاں رہی ہے شام سے لے تا سحر فغاں
اللہ تیری آہ کو دیوے اثر فغاں

بوئے کباب سوختہ آتی ہے خاک سے
دامن سے کیا گرا کوئی لخت جگر فغاں

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "پریاں" [2] ایضاً "ادب" [3] ایضاً "کیوں نہ روتا جاؤں میں بھی سیر کو گلشن کے جو" [4] ایضاً اسی نسخہ میں ایک شعر اور بھی ہے جو پڑھا نہیں جاتا [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں اس قافیہ اور ردیف میں کچھ اور اشعار ہیں،

گر بعد مرگ لب کو سخن سے میں وا کروں
تیرے بھی دست تیغ کو قاتل دعا کروں

رخصت میں قفس (؟) پر و بال وا کروں
کس دام میں پھنسا ہوں الہی میں کیا کروں

کیا فخر ہے صنم تجھے کہتا ہے برہمن
میرا جو بس چلے تجھے کافر خدا کروں

ہر رات بزم میں چوں شمع پر تلک (؟)
ہے آرزو یہی تیرے صدقہ ہوا کروں

کیوں کر نہ دیکھوں یار کوں ناصح خدا سے ڈر
دل کوں مگر جلا دوں آنکھوں کو کیا کروں

اتنی تو چرخ دے مجھے قدرت کہ خاک ہو
ہر صبح و شام یار کے در پر اڑا کروں

مجھ کو فغاں قسم ہے یہ ہے شرط عاشقی
میرا اگر برا ہو گا اس کا بھلا کروں

یہاں تک تو گرم ہی میرے خورشید رو کا حسن ۔۔۔ دیکھے اگر کوئی تو ٹھہرے نظر فغاں!
کیوں کر پھرے وہاں سے میرا مرغ نامہ بر ۔۔۔ جلتے ہیں اس گلی میں فرشتہ کے پر فغاں[۱]

آرام عشق میں تجھے حاصل ہو سو کہاں
گر جی سکے تو جی نہیں جیتا تو مر فغاں

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں ۔۔۔ لیتا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں!
بادِ صبا[۲] تو عقدہ کشا اس کی ہو جیو ۔۔۔ مجھ سا گرفتہ دل نظر آوے اگر کہیں[۳]
اتنا ہجوم جوش[۴] نہیں آتا ہی اشک کا ۔۔۔ عالم کو مت ڈبو ئیو اے چشم تر کہیں
میری طرف سے خاطرِ صیاد جمع ہی ۔۔۔ کیا اُڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں
تیری گلی میں خاک بھی چھانی[۵] کہ دل ملے ۔۔۔ ایسا ہی گم ہوا کہ نہ آیا نظر کہیں

قطعہ

ایذا فغاں کے حق میں یہاں تک روا نہ رکھ ۔۔۔ ظالم یہ کیا ستم ہی خدا سے تو ڈر کہیں
رونا جہاں تلک تھا مری[۶] جان رو چکا ۔۔۔ مطلق نہیں ہی چشم میں نم کا اثر کہیں

باور[۷] اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے
آنسو کہیں ڈھلک گئے لختِ جگر کہیں

---

[۱] نسخہ خان بہادر محمد شفیع و آبِ حیات: جلتے ہیں اس گلی میں فرشتہ کے پر فغاں + کیوں کر پھرے وہاں سے تیرا نامہ بر فغاں' نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں اس غزل کا مطلع یہ ہی: بے فائدہ ہی ارزِ وے سیم و زر فغاں' کس زندگی کے واسطے یہ دردِ سر فغاں [۲] آبِ حیات "تو" [۳] آبِ حیات و تذکرہ ہندی "مجھ سا گرفتہ دل اگر آوے نظر کہیں" [۴] آبِ حیات و نسخہ خان بہادر محمد شفیع "و فور" [۵] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہالہ" (؟)
[۶] آبِ حیات و تذکرہ ہندی "مری" [۷] تذکرہ ہندی باور اگر نہیں آتا تجھے' نسخہ خان بہادر محمد شفیع "یارب اگر تجھے"

گل کہاں مل کہاں ایاغ کہاں ۔ میں کہاں دل کہاں دماغ کہاں

داغ دل جل سکے تو جلنے دے ۔ خاک عشاق پر چراغ کہاں

چبھ گئی دل میں نوک خار قفس ۔ میں کہاں اور سیر باغ کہاں

دل اسی جستجو میں حیراں ہے

لیجئے یار کا سراغ کہاں

میں منتظر جلوۂ دیدار کھڑا ہوں ۔ پردہ سے نکلتا پس دیوار کھڑا ہوں[۱]

اے شیخ میں کل سے نہیں دیکھا ہے صنم کو ۔ اس وقت خدائی سے بھی بیزار کھڑا ہوں[۲]

قطعہ

کوچہ[۳] سے ترے یار میں کس پاؤں سے جاؤں ۔ اتنی نہیں طاقت کہ میں بیمار کھڑا ہوں[۴]

رکھتا ہے مجھے یک نگہ لطف سے محروم[۴]

ظالم تیرا ایسا میں گنہ گار کھڑا ہوں

میکدے کے بیچ جو ڈھونڈتا ہے سو نہیں ۔ یہاں تو ہے آہ و فغاں اے شیخ اللہ تو نہیں

ہیں ہزاروں گل شگفتہ باغ میں اے عندلیب ۔ ایک میں جو غور کر دیکھا وفا کی بو نہیں

سانورا مکھڑا، رسیلی نین، البیلی ہے چال

ایسے پیارے پر فغاں کیوں کر دیوانہ ہو نہیں

نہ آنسو میری چشم میں کم رہے ہیں ۔ خدا جانے کس واسطے تھم رہے ہیں!

زیارت کروں کیونکہ زخم جگر کی ۔ یہ پھاہے اترتے نہیں جم رہے ہیں

۱؎ مجموعۂ نغز (ص۱۸۲) ع۔ پردے سے نکلتا پس دیوار کھڑا ہوں ۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع اس وقت خدا سے بھی بیزار کھڑا ہوں ۳؎ ایضاً کوچے" ۴؎ ایضاً مقطع یہ ہے کہتا تھا یہ قاتل کہ فغاں کیسے تئیں سے او + موجود ہوں حاضر ہوں میرے یار کھڑا ہوں"

قطعہ

بیاں جن سے کرتے تھے اندوہ دل کو — نہ وہ یار غمخوار ہمدم رہے ہیں
سفر کر گئے اہل دل اس جہاں سے
فغاں کن دلوں کے لئے ہم رہے ہیں[1]

برعکس ہے دوئی کے اگر گفتگو کریں — دل آئینہ ہے دیکھ لے کیا رد و بد کریں
آلودگی سے دامن عشاق پاک ہے — یہ دلق وہ نہیں کہ جسے شست و شو کریں
ہردم ہے کون سوزن مژگاں سے ملتجی — اس چھلنی جگر کو کہاں تک رفو کریں[2]
منظور زاہدوں کو اگر ہے نماز عشق — کہنا کہ اشک چشم سے میرے وضو کریں
کس کو فغاں دماغ کہ لیوے سراغ دل
مدت سے گم ہوا ہے کہاں جست و جو کریں

(۹)

ہے قبول دل ترے جو رو جفا بھاری نہ ہو — پھر علاج اس کا اگر تجھ میں وفاداری نہ ہو
کھینچ رہا ہے اس لئے مجھ سے تیرا دامان وصل — تاکف افسوس کو پھر شغل بے کاری نہ ہو
دیدۂ فصاد کیا پاوے رگ مجنون عشق — نشتر مژگاں سے ڈرتا ہوں لہو جاری نہ ہو
روتے روتے لگ گئی ہے آنکھ اس بیمار کی — یاالٰہی پھر نصیب چشم بیداری نہ ہو

---

[1] اس غزل کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حاشیہ پر دو شعر لکھے ہیں جو پڑھے نہیں جاتے

[2] اگلی نسخہ میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے: اس چھن گئے جگر کو کہاں تک رفو کریں۔ شاید چھلنی جگر ہو، مگر یہ ترکیب بھی درست نہیں۔

مرغ دل پر واز کرتا ہی فغاں پہ دیکھ لے
حلقۂ زلف سیہ دام گرفتاری نہ ہو

ساغر ہو اور مینا صہبا ہو اور ہُو ہو
جم جم رہی یہ صحبت دنیا ہو اور تو ہو

گر اس چمن کے غنچے رنگین ہوئے تو ہوئیں
وہ گل مجھے سونگھا دُجس میں وفا کی بو ہو

ناصح نہ ہو پشیماں نے پارہ ہو گریباں
گر سوزن مژہ سے چاک جگر رفو ہو

منظور عشق یہ ہی عشاق پاشکستہ
محتاج در بدر ہو آوارہ کو بکو ہو

دل میں فغاں کے ہم نے عکس دوئی نہ دیکھا
آئینہ سکندر کیا اس کے روبرو ہو!

یکساں نہ کیوں کہ جانوں گلخن کو اور چمن کو
میں آگ دے کے نکلا اپنے جلا وطن کو

دعوا رہا نہ باقی قاتل سے خوں بہا کا
مل مل کے خاک ہم نے میلا کیا کفن کو

بند قبائے گل اب کھلتے نہیں چمن میں
باد صبا نے دیکھا شاید ترے بدن کو

ہو کیوں نہ تلخ کامی قسمت میں کوہکن کے
میٹھا کبھی نہ پایا شیریں ترے دہن کو

دامان ماہ کنعاں ہو چادر زلیخا!
یعقوب کر چکا تہ یوسف کے پیرہن کو

تنہا نہ یہ سیہ رو زنجیر پا ہوئی ہے
دل طوق جانتا ہے اس زلف کی شکن کو

مجھ کو فغاں جفائے کنج قفس مبارک
صدقے وفائے گل کے دیکھا ہیں اس چمن کو

میرے بغل میں یار میرا صبح و شام ہو
وہ دن خدا کرے کہیں یہ شب تمام ہو

تنہا نہ بزم یار میں ہوتے ہیں ہم شہید
باہر قدم رکھے تو ابھی قتل عام ہو.

سامع تو گوش دل سے کہاں تک سنے
یک عمر چاہیے میرا قصہ تمام ہو

جاری ہیں اشک صبح سے لے شام تک فغاں
اس قافلہ کا دیکھیے کس جا مقام ہو.

قطعہ

سن دکھ فغاں کا آہ بھی کرتا نہیں ہے تو — میری طرف نگاہ بھی کرتا نہیں ہے تو
آگے تو تیغ ناز کھینچ کے کہتا تھا ناز سے — ظالم کبھی گناہ بھی کرتا نہیں ہے تو

اب تو یہاں تلک ہے عداوت کہ خلق میں
رو کو میرے سیاہ بھی کرتا نہیں ہے تو

رکھتا ہے چرخ دوست میرے[1] دردِ آہ کو — بلکہ زلفِ سیہ سے ربط ہے بخت سیاہ کو
منظور تھا یہی کہ مروت کرے گی چشم — کیا جانتے تھے ہم تیری کافر نگاہ کو
چھوڑا نہ میں نے در کو تیرے تا دم وفات — تو نے[3] نہ آفریں کہی میری نباہ کو
اے شہ گدا کے خرقۂ پشمیں کو کم نہ جان — مارے ہے چشم پر تیری زریں کلاہ کو

مہر علی ہے دل میں نہ کر خوف روز حشر
تو لے چلا ہے ساتھ فغاں زاد راہ کو

تقویت ہے داغ سے میرے دلِ بیمار کو — اے فلاطوں کیا مرض کہتے ہیں اس آزار کو[4]
چھوڑ کر مجھ کو کہاں جاتا ہے اے خانہ خراب — سونپتا ہے کیا تیرے[5] سر سے در و دیوار کو
کفر سے اسلام کو[6] اے شیخ بیگانہ نہ جان — ہے تیری تسبیح سے رشتہ میرے زنار کو

نقد دل لے کر فغاں کا پھیر دیتا[7] ہے عبث
گرم کرتے ہیں خریداری تیرے[8] بازار کو

---

[1] تذکرہ ہندی "مرے" [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "سے" "ندارد" [3] ایضاً "تینے" [4] تذکرہ میر حسن "اے فلاطون کہہ تو کیا کہتے ہیں اس ازار کو" [5] تذکرہ میر حسن "مرے" [6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کفر کو اسلام سے" [7] تذکرہ ہندی (ص ۱۶۳) "چھوڑ دیتا ہے" [8] تذکرہ ہندی "ترالے"

مجھ[1] سے گرفتہ دل کو خدا شاد کیجیو / اس خانماں خراب کو آباد کیجیو

اس باغباں کو میری اسیری کا کیا الم / اے عندلیب تو تو مجھے یاد کیجیو

صیاد راہ باغ فراموش ہو گئی / کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

یاراں مجھے تو خاطر صیاد ہے عزیز / قطعہ کہنا نہ[2] یہ کہ صید کو آزاد کیجیو

اوڑتے رہیں قفس میں اسیروں کے مشت پر
میرے لیے نہ منت صیاد کیجیو

نکلا خط ہمیں پیغام[3] کیا ہو / اب اس آغاز کا انجام کیا ہو

نہ الفت[4] نے محبت نے مروت / تیری[5] خاطر کوئی بدنام کیا ہو

فغاں نے عشق میں حاصل کیا یہ[6] / قطعہ کوئی رسوائے خاص و عام کیا ہو

ہمیشہ ہجر میں کہتا رہا وہ / جدائی میں مجھے آرام کیا ہو

ہوا جو وصل تو دھڑکا رہا یہ
الٰہی صبح کیا ہو شام کیا ہو

کس طرح بجھے شمع سحر گاہ نہ پوچھو / احوال دل سوختہ گاں آہ نہ پوچھو

اے ہم سفراں منزل ہستی سے عدم تک / خاموش چلے جاؤ یہاں راہ نہ پوچھو

ممکن نہیں بے شکوہ اغیار رہوں میں / تم خواہ یہ نار گور کرو خواہ نہ پوچھو

راز دل بسمل کوئی نکلے ہے زباں سے / واللہ نہیں کہنے کا باللہ نہ پوچھو

تقریر میں آتا نہیں احوال فغاں کا
پر درد ہے یہ قصۂ جاں کاہ نہ پوچھو

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع - اب رفتہ رفتہ دل کو [2] ایضاً "نہ" ندارد اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہے :-
کہنا دل فغاں کی طرف سے جرس کے تئیں + محمل اگر ملے کہیں فریاد کیجیو، [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہم نے" [4]
تذکرہ میر حسن و نسخہ خان بہادر محمد شفیع "نہ" "نہ"، [5] تذکرہ میر حسن "تری" [6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہی"

عجب سودا[۱] بنا یہ حسن بازاری مبارک ہو — زلیخا تجھ کو یوسف کی خریداری مبارک ہو

صبا میری طرف سے بلبل آزاد کو کہنا — تجھے آزادگی مجھ کو گرفتاری مبارک ہو

مے گلگوں ہو ساقی ہو فغاں ہو جام و مینا ہو
بہار آئی ہے میخواروں کو میخواری مبارک ہو

اے داد خواہ عاشق مت چاہ خوبہا کو — بسمل سمجھ چکا ہے قاتل کے مدعا کو

تیری گلی میں ظالم مانند نقش پا ہوں — کیوں کر کوئی اٹھا دے مجھ سے شکستہ پا کو

قطرات اشک میرے باراں سے کم نہیں ہیں — کرتے ہیں سبز مجھ سے بے برگ و بینوا کو

ساقی پہنچ شتابی رو رو کے میکشاں نے — خالی کیا ہے اپنے جام جہاں نما کو

پی کر شراب وحدت ہم مست ہو رہے ہیں — مارے ہیں اب کدو پہ اس شیخ پارسا کو

بے بس ہیں کیا کریں ہم کچھ بس نہیں ہمارا
رخصت ہوئے فغاں ہم سونپا اسے خدا کو

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو — اے دل خدا کرے تیرا خانہ[۲] خراب ہو

آخر کو تو بجھا میرے قاتل یہ تشنگی — وہ تیغ لے زیادہ ذرہ جس میں آب ہو

کھولوں گر اپنے دفتر[۳] دل کو میں روز حشر — غیر از تری جفا نہ کسی کا حساب ہو

جم جم پلا دے[۴] روز تجھے دوست جام مے
تو مست رہ فغاں تیرا[۵] دشمن کباب ہو

---

[۱] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بنا ہے" [۲] مجموعۂ نغز (صفحہ ۸۸)، تذکرہ ہندی (صفحہ ۱۶۳)، سخن شعرا (صفحہ ۳۶۹)، ترا۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع اے دل ترا خدا کرے خانہ خراب ہو [۳] نسخہ خان بہادر محمد شفیع، کھولوں اگر اپنے دفتر غم کون کو میں حشر میں + غیر از جفا تیرا نہ کسی کا حساب ہو [۴] ایضاً جم جم پلا دے دوست تجھے روز جام مے، مجموعۂ نغز: جم جم پلائے دوست تجھے جام مے مدام تذکرہ ہندی پلائے [۵] مجموعۂ نغز تیرا نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں یہ شعر فاضل ہے:

فرقت ہو دور وصل صنم کا شتاب ہو — ظاہر جو دیکھتا ہوں الٰہی یہ خواب ہو

بٹھا گیا ہو کہاں یار بے وفا مجھ کو — کوئی اٹھا نہ سکا مثل نقش پا مجھ کو
کبھی مقیم حرم ہو کبھی ہو ساکن دیر — کیا خراب میرے دل نے جا بجا مجھ کو
برنگ غنچۂ نشگفتہ ہوں دل افسردہ — ہوا نہ چاک گریباں کیا نہ وا مجھ کو

کلاہ فقر میرے سر پہ تاج شاہی ہے
نہیں قبول فغاں سایۂ ہما مجھ کو

بدلہ میری وفا کا اگر تم جفا کرو — مجھ خانماں خراب کو مت آشنا کرو
جانا کہ تم نے زہد سے حق کو کیا ہو رام — تب جانوں زاہدو میرے بت کو خدا کرو

اس کے سگاں کو ہے کوئی پوچھیو ذرہ
تم استخواں فغاں کی جو پاؤ تو کیا کرو

مجھ سے جدا ہوا تیرے باعث وہ ماہ رو — صبح مفارقت تیرا ہووے سیاہ رو
حیرت برنگ آئینہ مجھ کو ہوئی نصیب — پایا تیری بزم میں اے بادشاہ رو
تشہیر ہو چکا اے تعذیر کیجیے — رکھتا نہیں ہو خلق میں یہ رو سیاہ رو

کس طرح سے چھپاؤں فغاں رنگ زرد کو
ہو اس دل ملول کا میرے گواہ رو

مقتول تیغ ناز کو بسل کہا کرو — میں دل تو دے چکا مجھے بیدل کہا کرو
کیا پوچھتے ہو خانۂ عشاق کا نشان — جس جا پہ گر رہو اسے منزل کہا کرو
استادہ ہو جہاں صف عشاق بہر قتل — مجھ کو بھی اس قطار کے شامل کہا کرو

رسوائے خاص و عام مبرائے ننگ و نام
یہ مت کہا کرو جسے تم دل کہا کرو

بسمل کا جی کہیں عوض خوں بہا نہ ہو — انصاف چاہتا ہو کہ یہ حق ادا نہ ہو
نفرین خلق و طعن عزیزان جفائے غیر — سب کچھ مجھے قبول ہو پر تو جدا نہ ہو

بیجا ہی شست دشو کوئی چھوٹے ہی ہاتھ سے — قاتل ہمارا خون ہی رنگ حنا نہ ہو

ہی عندلیب رشک محبت سے یہ بعید — کھولے نسیم عقدہ گل تجھ سے وا نہ ہو

خالق ہوا ہی شہ رگ مخلوق کے قریب — ہی شرط بندگی کوئی بندہ خدا نہ ہو

سچ ہی فغاں کہ آتش الفت سے الاماں — اس آگ سے کسی کا کلیجا جلا نہ ہو

(۷)

ہوا تھا شب کو کس سے ہم سخن وہ دلستاں سچ کہ — ابھی اے شمع جلنے سے رہی تیری زباں سچ کہ

پڑا پھرتا ہوں صحرا میں لٹا کر خانماں اپنا — کوئی مجھ سا بھی گردش پیچ ہی[1] اے آسماں سچ کہ

طبیب اب تو دوا دیتا ہی[2] مجھ کو کس توقع پر — بھلا کیا پھر[3] توانا ہوگا مجھ سا[4] ناتواں سچ کہ

میرے سب موئے تن لرزش میں آئے[5] دیکھ اس سچ کو — کمر باندھی ہی کس کے قتل اوپر اے میاں سچ کہ

گلے میں ڈال کر زنار بت خانہ[6] میں بیٹھا ہی

تو کس کافر کا بندہ ہوگیا ہی اے فغاں سچ کہ

میکشاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہاں ہی[7] شیشہ — دل تو اس وقت میں ارزاں ہی گراں ہی[8] شیشہ

لذت درد بتا دے کوئی ہمدرد بغیر — دل کو تنگی ہی وہاں تھیس جہاں ہی[9] شیشہ

دل مرا سنگ حوادث سے نہ ٹوٹا ہرگز — اس طرح کا کوئی لائے شیشہ گراں ہی شیشہ

قطعہ

بار غافل نہ پھرا کر تو میرے مشہد پہ — جان میری دل پر درد فغاں سے شیشہ

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع گردش پیچ آیا آسماں [2] ایضاً ہی ندارد [3] ایضاً پھر ندارد [4] ایضاً میرا [5] ایضاً میرے سب موئے لرزش ہی اے دیکھ (جو غلط ہی) [6] ایضاً ے خانہ بیٹھا ہی [7] ایضاً کہاں ہی [8] ایضاً کہیں

فکر[1] یہ ہی کہ نہ پہنچے کہیں ایذا تجھ[2] کو
مت قدم خاک پہ رکھنا کہ نہاں ہی شیشہ

ہی شرر افشاں نہ تنہا یہ زباں سوختہ
عاشق دل سوختہ رکھتا ہی جان سوختہ

نے ہما مائل نہ ہی راغب سگ کوئے نگار[3]
ہو گئی ہیں تو تبا یہ استخوان سوختہ

بسکہ ہی مثل سمندر ساکن آتشکدہ
یہ دل افروختہ ہی دودمان سوختہ

اے دل خیال عشق کو کم رکھ سمجھ سمجھ
تو راہ عاشقی میں قدم رکھ سمجھ سمجھ

بسمل تیری تڑپھ تیرے قاتل کا شغل ہی
لب پر تو جی کے تئیں کوئی دم رکھ سمجھ سمجھ

دل کو نہ کر خراب کہ ہی سجدہ گاہ عشق
اس خانۂ خدا کو صنم رکھ سمجھ سمجھ

بریاں کیا ہی آتش دل نے جگر کے تئیں
رو روکے چشم آب کو نم رکھ سمجھ سمجھ

تیرا فغاں تو قابل جور و جفا نہیں
اس پر روا نہ ظلم و ستم رکھ سمجھ سمجھ

ڈرتا ہوں یہ کہیں دل بسمل تڑپھ تڑپھ
رنگیں کرے نہ دامن قاتل تڑپھ تڑپھ

گو ہی شکستہ پر یہ میرا مرغ نامہ بر
پہنچے گا اوڑ کے تا سر منزل تڑپھ تڑپھ

افسوس و ست قفس سینہ تنگ ہی
کیا کیا ستم کرے گا فغاں دل تڑپھ تڑپھ

ہو گئی الفت دل وحشی کو دیرانے کے ساتھ[4]
ایک بھی لڑکا نہیں ہی آج دیوانے کے ساتھ

مت کوئی روشن کرو مجنوں کی تربت پر چراغ[5]
روح دیوانہ کی جل جاویگی پروانے کے ساتھ[6]

---

[1] ایضاً غم تو یہ ہی [2] ایضاً تجکو [3] تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۲) روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع ۔ روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانہ کے ساتھ

کیا مزہ دیوے فغاں کو زندگی ساقی بغیر[لہ] — اڑ گئے وہ عیش وہ آرام میخانے کے ساتھ

چشم الطاف تو رکھتا ہی صنم ناز بھی ساتھ — کچھ تو آنکھوں کی اشارت ہی کچھ انداز بھی ساتھ
یہ دل سرد کہاں زمزمۂ درد کہاں — تو بھی قائم رہی بلبل تیری آواز بھی ساتھ
ہی خط سبز بتاں حاشیۂ مصحف حسن — یار انجام تو رکھتا ہی یہ آغاز بھی ساتھ
مت رہا کیجیو صیاد قفس سے مجھ کو — کشمش دام نے توڑے یہ پرواز بھی ساتھ

کیا خلل لطف شہادت میں فغاں ہوتا ہی
یار آتا ہی مرے قتل کو غماز بھی ساتھ

بک گیا اب تو یہ دل قاتل خونخوار کے ہاتھ — بندھ گئے رشتۂ الفت سے گنہ گار کے ہاتھ
دست بردار نہیں خون شہیداں سے ہنوز — کب ہوئے سرخ حنا سے میرے دلدار کے ہاتھ
تیغ بیداد ہی یا ہی سر شوریدۂ عشق! — ہم نے خالی نہ کبھی پائے ستم گار کے ساتھ
مانع نبض شناساں نجار تپ عشق! — دست نباض ہی عاجز تیرے بیمار کے ہاتھ

بخیہ چاک جگر کو تو فغاں کھولے ہی
یہ نیا شغل لگا اس تیرے بیکار کے ہاتھ

(ی)

عاشق ہوں مجھے تجھ سے سروکار رہا ہی — یہ بات فغاں کہہ کے گنہ گار ہوا ہی
تو کافر بدکیش ہی وہ ظالم بے رحم — ہونی ہو سو ہو اب تو میرا یار ہوا ہی
مشکل ہی ترے حلقۂ گیسو سے نکلنا — یہ طوق محبت تو گلے ہار ہوا ہی

[لہ] نسخہ خان بہادر محمد شفیع کیا مزا دیتا ہی مجکو زندگی ساقی بغیر (جو غلط ہی)

سر دے کے عشق میں جاتا ہی عدم کو — سنتا ہی مسافر تو سبک بار ہوا ہی

ظاہر ہی فغاں جامۂ رنگین سے اس کے

قاتل کو میرا خون سزاوار ہوا ہی

یار اگر جفا کرے چاہیے دل وفا کرے — یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

یار طرف نظر رہی اشک سے چشم بھر رہی — جیب و کنار تر رہی خون جگر بہا کرے

جو کوئی عشق باز ہو چاہیے وہ گداز ہو — شعلۂ دل فراز ہو شمع صفت جلا کرے

کوچۂ یار پاک ہو جان کہیں ہلاک ہو — کاشکے یہ جسم خاک ہو در پہ ترے اڑا کرے

تو تو فغاں ہی پیر دیر پاتے ہیں تجھ سے لطف سیر

کون جئے گا تجھ بغیر تو نہ مرے خدا کرے

سینۂ عشاق سپر چاہیے — دل کے لگانے کو جگر چاہیے

پاس رہا کیا جسے برباد دوں — خانہ خرابی کو بھی گھر چاہیے

مرغ قفس کو نہ ہوائے چمن — کب میری پرواز کو پر چاہیے

آتش دل نے تو جلایا جگر — اب مدد دیدۂ تر چاہیے

دل کو تو مدت سے فغاں دے چکا

جان بھی حاضر ہی اگر چاہیے

مبتلائے عشق کو آسودگی نایاب ہی — فرش مخمل کو میسر ہو پہ یہ بے خواب ہی

کیا کہوں جوں شمع روشن ہی میرا سوز و گداز — دل میں کیا ہی آگ ہی آنکھوں میں کیا ہی آب ہی

کیوں نہیں رنگتا مرے لوہو سے تو جامہ کے تئیں — خون قربانی سے رنگین دامن قصاب ہی

کیا چھپاؤں میں نہیں چھپتی ضیائے سوز عشق — پردہ داغ جگر کیا چادر مہتاب ہی

ننگ استغنا ہی ہوں منت کش ساقی اگر — شیشۂ دل میں لبالب بادۂ خوناب ہی

خانۂ دل میں نہ دو روشن دلاں کینہ کو جا — زنگ آئینہ میں جب آیا صفا نایاب ہی

اے فغاں تشبیہ دوں کس سے دل بیتاب کو

ماہی بے آب ہی یا پارۂ سیماب ہی

بسکہ دیدار تیرا جلوۂ قدوسی ہی — دامن وصل بھی آلودۂ مایوسی ہی

ہی کہاں بوئے وفا اس دہن شیریں میں — غنچہ لب تیری زباں ہم نے بہت چوسی ہی

یار کو خون میرا مثل حنا ہو پامال — لیکن اپنے تئیں منظور قدم بوسی ہی

دل میرا خاک شگفتہ ہو چمن میں جا کر — گل میں یہ رنگ کہاں ایک تیری بوسی ہی

ایک دن زلف کے منہ پر نہ چھڑے یہ کافر — باد کاکل کو فقط شیوۂ جاسوسی ہی

وہ بھی تیغ کہ یکدم میں کرے لاکھ کو قتل — کون کہتا ہی میاں تیری کمر موسی ہی

شیخ روتا ہی اسے سن کے برہمن یکسو — پر اثر بسکہ میرا نالۂ ناقوسی ہی

چشم نمناک نے از بسکہ بجھایا اس کو — آتش عشق کہاں دل میں مگر نوسی ہی

اے فغاں عشق کہاں دل میں بقول منت

ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو ایک خوسی ہی

اتنی ہی آہ و زاری کرتے اگر رہیں گے — جیتے کہاں بچیں گے آخر کو مر رہیں گے

اب آہ و اشک میرے ہم قافلہ ہوئے ہیں — کس سرزمیں میں غمناک کر یہ ہم سفر رہیں گے

مرغ چمن مریں گے سر کو پٹک پٹک کے — کیونکر قفس میں جیتے بے بال و پر رہیں گے

میں چھوڑ دوں گا آخر اپنا فغاں تخلص

ایسی ہی گر جہاں میں بیداد کر رہیں گے

اے دل پناہ سایۂ داغ جگر نہ لے — مرنے اگر چلا ہی تو منہ پر سپر نہ لے

مجھ سے بہل سکے گا نہ ہرگز یہ طفل اشک — لخت جگر کو گود میں جب تک کہ پھر نہ لے

عاشق کہا کرے کہ فدا جی تلک ہوں لیک — کب اس کو اعتبار ہی جب تک کہ مر نہ لے

پاکیزہ تر ہی جامۂ عریاں تنی فغاں

جانے ہی بار دوش تو رخت سفر نہ لے

نہ ان ظالموں میں عدالت رہی ہی — نہ فریاد کی مجھ کو طاقت رہا ہی
لٹایا اسے کس روش مے کشاں نے — کہاں دختر رز کی حرمت رہا ہی
فغاں میرے اسباب میں کیا رہا ہی — مگر یہ کہ دل میں قناعت رہا ہی

عاشق تیرے کو آرزو ہے زخم پھیر ہے — اب تک جسے رہی جان کے دینے میں دیر ہی
شاہ و گدا کی صورت اصلی میں فرق نہیں — وہ اوج پہ زبر یہ تنزل میں زیر ہی
اے شوخ دور زخم کو عاشق کے کم نہ جان — چاک جگر میرا تیرے دامن کا گھیر ہی

کب میل رنگ پان ہی فغاں اس عقیق کو
پی پی کے خون دل کو میرا لال سیر ہی

کیا آئینہ کی حاجت یہ چشم رو برو ہی — تیری نظر میں میں ہوں میری نظر میں تو ہی
مثل کباب جل گئے پہ ایک دن نہ پوچھا — یہ کون ہی برشتہ کس کے جگر کی بو ہی
مستان کدو کھا کر تجھ کو پڑا چکے ہیں — اے شیخ پاک دامن کیسا تیرا وضو ہی

احوال کچھ نہ پوچھو اے ہمدماں فغاں کا
دل ہی سو ٹکڑے ٹکڑے سینہ ہی سو رفو ہی

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گذر گئی — اے عندلیب تو نہ قفس[1] بیچ مر گئی
شکوہ[2] کرے ہی کیوں تو میرے اشک سرخ کا — تیری کب[3] آستین میرے لوہو سے بھر گئی

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "چمن" [2] آب حیات، نکات الشعراء، مخزن نکات اور مجموعہ نغز میں یہ مصرعہ اس طرح ہی: شکوہ تو کیوں کرے ہی مرے اشک سرخ کا، گلشن ہند (ص ۱۳۰) اور گلشن بے خار میں اس طرح ہی ع شکوہ کرے ہی تو جو مرے اشک سرخ کا۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع۔ شکوہ تو کیوں نہ کرے ہی میرے اشک سرخ کا [3] کب آستین تیری میرے لہو (لوہو) سے بھر گئی۔ نکات الشعراء ع۔ کب آستیں تیری مرے لوہو سے بھر گئی

قطعہ

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں[۱] کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ مروت[۲] اگر گئی
آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا — وہ کیا ہوئی[۳] تپاک وہ الفت کدھر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے[۴]
یوں بھی گذر گئی میری[۵] ووں بھی گذر گئی[۶]

نہ مجھ سے پوچھ تیرے دل پہ کیا گذرتی ہے — خدا ہی جانے کہ بسمل پہ کیا گذرتی ہے
اٹھوں نہ روز جزا میں اٹھے یہ قوت سمع — نہ میں سنوں میرے قاتل پہ کیا گذرتی ہے
پھرا نہ راہ عدم سے کوئی کہ ہم پوچھیں — مسافرو کہو منزل پہ کیا گذرتی ہے

بھولیں خدا کو اپنے محظوظ ہوں صنم سے — آئے تھے کیا جہاں میں ہم اس لئے عدم سے
مژگاں ہے تیر و خنجر ابرو ہے تیغ برّاں — کس کس کے سامنے ہوں میں ایک اپنے دم سے
کیفیت زمانہ آخر خمار کش ہے — سیراب ہو چکی ہے یہ چشم جام جم سے
تقدیر کا لکھا بھی تبدیل ہو گیا ہے — کیا سرنوشت میری مفقود ہے قلم سے

تجھ سے فغاں کہوں کیا اس شوخ کی گلی میں
کتنے غریب بیکس مارے پڑے ہیں ہم سے

ممنون رکھئے مجھے تیرا احسان دیکھئے — تیرا رہوں مدام ثنا خوان دیکھئے

---

[۱] گلشن بے خار (ص ۲۲۱) "یہ" [۲] گلشن بے خار "محبت" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مروت گذر گئی" جو غلط ہے
[۳] مجموعہ نغز "ہوئے تپاک" گل رعنا "ہوا تپاک" نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع۔ وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت گذر گئی (جو غلط ہے) [۴] تذکرہ میر حسن۔ ع۔ مجھ سے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے، گل رعنا ع۔ مجھ سے جو پوچھئے تو بہر حال شکر ہے [۵] آب حیات و گل رعنا "مری" [۶] اس غزل کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے حاشیہ پر کوئی اور غزل لکھی ہوئی ہے جو پوری پڑھی نہیں جاتی۔

بند قبا کو کھول کے چھاتی سے لگ گئے
ہر آن میں رہی یہ تیری آن دیکھئے

لوٹوں تیرے قدم پہ یہاں تک کہ خاک ہوں
نکلے گا میرے دل کا یہ ارمان دیکھئے

آغاز تو یہ ہے کہ جو میں نے بیان کیا
انجام کار اے ستم خوبان دیکھئے

کیا لاؤ گے[1] فغاں کے سرادپر خم ابیان
اب دل تو لے چلے ہو میری جان دیکھئے

روز و شب روتے ہی گذرے ہے یہ حال اپنا ہے
خواب میں بھی نظر آدے سو خیال اپنا ہے

مر گئے کنج قفس میں پہ کبھی اے صیاد
نہ کہا تو نے کہ یہ بے پر و بال اپنا ہے

پوچھ مت اس دل بیمار کی تاریخ وفات
ملتے ہی مر گئے وہ روز وصال اپنا ہے

کیوں کریں غیر کے مضمون کو فغاں ہم موزوں
تازگی ہووے سخن میں یہ کمال اپنا ہے

سہ گیا سنگ جفا سر پہ یہ کیا شیشہ ہے
دیکھیو دل کو میرے سنگ ہے یا شیشہ ہے

کچھ نہ معلوم تھا آلودۂ خوں تھا جب تک
صاف کر دل کو جو دیکھا تو نما شیشہ ہے

یہاں نظر آتی ہے محراب تیرے ابرو کی
دل عشاق عجب قبلہ نما شیشہ ہے

مل گیا سنگ دلاں سے پہ نہ ٹوٹا ہرگز
یہ دل سنگ صفت سخت بلا شیشہ ہے

یہ دل سوختہ رکھتا نہیں کچھ کیفیت
توڑ بھی ڈال فغاں یہ تو جلا شیشہ ہے

دکھلا دئے ہیں زور مرے[2] اضطراب کے
بندہ[3] ہیں ہم تو اس دل خانہ خراب کے

ساقی ذرہ تو جنبش مژگاں سی در گذر
لبریز ہو رہے ہیں[4] پیالے شراب کے

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کیا لیا دگی" [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مرے" [3] ایضاً بندے ہیں
[4] ایضاً لبریز ہو رہے ہیں یہ

اتنا بھی موئے سر کو پریشاں نہ کر صبا — پالے ہوئے ہیں یہ کسی خانہ خراب کے

وا ہو اگر کبھی میرا محبوب مجھ سیتی! — اٹھ جائیں درمیان سے پردے حجاب کے

پھوٹے ہیں جس مزے سے فغاں دل کے آبلے[1]

کاسنے[2] نہ ایسے پھوٹتے دیکھے حباب کے

اے دیدۂ تر گو شنبہ داماں کو بھر بھی[3] — آنسو تو نکلتے ہیں کبھی لختِ جگر بھی

ہی دور میرا یار کہاں داد کو پہنچے[4] — فریاد کا کیا ذکر ہی تھکتی ہی نظر بھی

اس خاک کو لے جا کے اڑا صحن چمن میں — اے باد صبا خاک شہیداں سے گذر بھی[5]

رہنا قفس میں مرغ چمن ناگزیر ہی — نے ہم نوا یہاں نہ وہاں ہم صفیر ہی

ابتر ہوا ہی صحبت مردم میں طفل اشک — جاتا رہی نہ گھر سے یہ لڑکا شریر ہی

ٹک بھوں چڑھا کے جس پہ نظر کی وہ مرگیا — ابرو تو ہی کماں تیری مژگاں بھی تیر ہی

منظور تھا کسی[6] کے گرفتار ہو فغاں!

اس دل کو کیا کرو کہ یہ الفت پذیر ہی

اس کاکل مشکیں میں یہ شانہ جو پھنسا ہی — غمازِ دل شیفتۂ مادر بخطا ہی

قصرِ دل عشاق کبھی گرم کبھی سرد — یہ بام تو ہی ایک پہ اس میں دو ہوا ہی

امید ثمر اس شجر خشک سے مت رکھ — نخل دل عاشق نہ ہرا ہی نہ بھرا ہی

درد دل عشاق مداوا سے نہ جاوے — خاک در معشوق اسے خاک شفا ہی

---

[1] ایضاً "ابلہ" [2] ایضاً "کاسے" [3] ایضاً اے دیدۂ تر اس میرے داماں کو بھر بھی [4] ایضاً "پہنچوں"

[5] ایضاً اے باد صبا میرے مشہد پہ گذر بھی۔ اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہی جو صحیح طور پہ پڑھا نہیں جاتا، دیکھیں سے کوچے میں ہمیں چھوڑا کوئی فدا بھی — اے ہم سفران کچھ میرے "قاصد کی خبر بھی

[6] اصل دیوان میں "کہ"

جاتی رہی یکبار ترے دل کی بشاشت
غمگین نظر آتا ہے فغاں خیر ہے کیا ہے

میں کہہ چکا فسانۂ غم رات جا چکی — اب بولنے کی بات نہیں بات جا چکی
حیرت میں ہوں وہ کیوں کہ مرے دل کو لے گیا — دنیا سے دلبری و مدارات جا چکی
پینا پڑا ہے خون جگر کو بجائے مے — برہم ہوئی وہ بزم خرابات جا چکی
روز وصال ہم کو میسر کہاں فغاں
دن کاٹنے پڑے ہیں وہ اوقات جا چکی

ڈرتا ہوں محبت میں مرا[1] نام نہ ہووے[2] — دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے
شمشیر کوئی تیز سی لینا مرے[3] قاتل — ایسی نہ لگانا[4] کہ مرا[5] کام نہ ہووے
گر صبح کو میں چاک گریبان دکھاؤں — اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے
آتا ہے[6] مری خاک پہ ہمراہ رقیباں — یعنی[7] مجھے تربت میں بھی آرام نہ ہووے
جی دیتا ہے بوسہ کی توقع پہ فغاں تو
ٹک دیکھئے[8] سودا یہ ترا خام نہ ہووے

عبث عبث تجھے مجھ سے حجاب آتا ہے — ترے لئے کوئی خانہ خراب آتا ہے
پلک کے مارتے ہستی تمام ہوتی ہے — عبث کو بحر عدم سے حباب آتا ہے
خدا ہی جانے جلایا ہے کس ستمگر نے — جگر تو چشم سے ہو کر کباب آتا ہے
قطعہ
شب فراق میں اکثر میں لے کے آئینہ — یہ دیکھتا ہوں کہ آنکھوں میں خواب آتا ہے[9]

---

[1] تذکرہ ہندی "مرا" [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں ردیف "ہوئے" "ہے" جو غلط ہے [3] تذکرہ ہندی "مرے" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "لینا بی میرے قاتل" جو غلط ہے [4] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ایسی نہ نکالے" [5] تذکرہ ہندی "مرا" [6] ایضاً "مری" [7] ایضاً "اسے" نسخہ خان بہادر محمد شفیع یعنی اسے تربت میں بھی [8] نسخہ تذکرہ ہندی "ٹک دیکھیو سودا" [9] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "خواب آیا ہے" اس نسخہ میں مطلع کی ردیف تو "آتا ہے" مگر پھر ساری ردیفیں "آیا ہے" ہیں۔

نظر کرہ دل ہوں تو یہاں خواب کا خیال نہیں[1]
گرے ہے لخت جگر یا کہ آب آتا ہے

محراب کعبہ پاوے ایسے کہاں بنازی | ابرو کی یہ بلندی مژگاں کی یہ درازی
ہیہات[2] کبھی نہ ہوویں یہ کشتۂ محبت | گو مر گئے شہادت جیتے رہیں تو غازی
ناحق ہوئے مخالف بیگانہ و یگانہ | بے چارہ دل کرے اب کس کس کی چارہ سازی
ان عاشقوں کے جی کو آخر نیاز لے گی | ٹلے میرے ناز پرور یہ تیری بے نیازی

جیتے گا کیا فغاں تو دل کو لگا کے دیکھا
جی ہار دے گی آخر تیری یہ عشق بازی

ملا ہے[2] خاک میں تن دل کی آرزو نہ گئی | عجب یہ گل ہے کہ مرجھا گیا پہ بو نہ گئی
یہ خاک وہ ہے تیمم کرے ملک جس[3] پر | میرے[4] مزار پہ شبنم بھی بے وضو نہ گئی
اگرچہ چشم نے رو رو کے راز فاش کیا | ہزار شکر کہ عاشق کی آبرو نہ گئی

غبار خاطر معشوق کب ہے کشتۂ ناز
فغاں کی خاک کو لے کر نسیم تو نہ گئی

حیف دل میں تیرے وفا نہ ہوئی | کیوں تیری چشم میں حیا[5] نہ ہوئی
یار نے نامہ بر سے خط نہ لیا | میری خاطر عزیز کیا نہ ہوئی
رہ گیا دور تیرے کوچہ[6] سے | خاک بھی میری پیش پا نہ ہوئی
کٹ گئی عمر میری[7] غفلت میں | کچھ تیری بندگی[8] ادا نہ ہوئی

---

[1] ایضاً نظر کرہ دل تو یہاں خواب خیال نہیں۔ گرے ہے لخت جگر یا کہ خواب آیا ہے، اس میں یہ شعر فاضل ہے:

دل فغاں کیوں کیوں کر نہ اضطراب کرے | نہ نامہ بر کی خبر نے جواب آتا ہے

[2] مجموعۂ نغز "بھی" [3] ایضاً جس سے [4] ایضاً مرے [5] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "وفا" [6] ایضاً قدموں سے [7] تذکرۂ میر حسن ع۔ کٹ گئی ساری عمر غفلت میں [8] ایضاً تری و نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "میری"

دود دل تیری زلف تک پہنچے   آہ یہاں تک میری رسا نہ ہوئی

چشم خونخوار سے فغاں دیکھا
دل بیمار کو شفا نہ ہوئی

کیا کیا ستم کرے گی غضب آنکھ لگ گئی   جو ہونی ہو سو ہو میری اب آنکھ لگ گئی
شاید ہیں میرے گوشۂ داماں و آستین   آنسو کہاں تھمیں میری کب آنکھ لگ گئی
یہ ہی غلط نہ خواب میں آوے تیرا خیال   تو ہی نظر پڑا میری جب آنکھ لگ گئی

صبح وخیال شام غریباں ہوئی فغاں!
صبح وصال شام غریباں ہوئی فغاں!
جاگے بہت پہ آخر شب آنکھ لگ گئی

شانہ کی کشمکش سے کہیں دل ہیں ٹوٹتے[1]   یک عمر چاہیے تیری زلفوں سے چھوٹتے
دریا میں نت حباب کی دیکھی شکستگی   اس دل کے آبلے کبھی دیکھے نہ پھوٹتے
پاتے قفس سے رخصت پرواز ہم اگر   کیسا چمن میں جا کے زر گل کو لوٹتے

شبہائے ہجر ہم پہ فغاں یوں گذر گئیں
سر کو تو[1] پیٹتے رہی چھاتی کو کوٹتے[2]

فغاں ہم نے سنا ہی یوں کہیں مائل تیرا دل ہے   خدا آساں کرے بندہ محبت سخت مشکل ہے
چلا جاتا ہے ہر دم کاروان عمر ہستی ہے   نہیں معلوم اتنا دور یا نزدیک منزل ہے
سر انگشت سے قطرات خون اتنا ٹپکتے ہیں   کف پا پہ تیری رنگ حنا یا خون بسمل ہے
یہاں تک گردش طالع تو آئی آزمائش ہیں   خط تقدیر بھی میری جبیں پر نقش باطل ہے

فغاں میں لے رہوں گا عاقبت نادان گریباں کا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تو" ندارد [2] ایضاً "کون"

صفِ محشر ہی میں ہوں اور یہ دامانِ قاتل ہی

شبِ فراق نہ تنہا مجھے رلاتی ہی — یہ صبحِ وصل بھی آنسو سے مونہہ دھلاتی ہی
بجاؤں کیونکہ بھلا آہ گرم کے صدقے — کہ زخمِ دل کو میرے بیک بیک آتی ہی
کرے ہی تلخ میری زندگی کو ہشیاری — رہی یہ لذتِ غفلت مجھ کو جلاتی ہی

نگہ چمن میں فغاں گل کھلے کہ بادِ صبا
گھڑی گھڑی میری زنجیر کو ہلاتی ہی

ظالم تجھے قسم ہی جو اس کو جلا نہ دے — یہ دل بھی دل نہ ہووے جو تجھ کو دعا نہ دے
ناصح تو چاک دل کو کہاں تک رفو کرے — اے دست کا شکہ تجھے ناخن خدا نہ دے

تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہاں فغاں
الفت بڑی بلا ہی کسی کو خدا نہ دے

عکس بھی کب شبِ ہجراں کا تماشائی ہی — ایک میں آپ ہوں یا گوشہ تنہائی ہی
دل تو رکتا ہی اگر بندِ قبا بازنہ ہو — چاک کرتا ہوں گریباں کو تو رسوائی ہی
طاقتِ ضبط کہاں اب تو جگر جلتا ہی — آہ سینہ سے نکل لب پہ میرے آئی ہی
میں تو وہ ہوں کہ میرے لاکھ خریدار ہیں اب — لیک اس دل سے دھڑکتا ہوں کہ سودائی ہی

---

[۱] گلشن ہندی صفحہ ۱۳۰ [۲] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کہ اسکوں" [۳] ایضاً نہ ہوئے کہ تجھ کو ں اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہیں بعض اشعار کی کتابت غلط ہوئی، مگر ان کو صحیح کرکے درج کیا جاتا ہی

آنکھیں بجا... شمع کو فانوس میں پلک — اے یار درمیاں سے پردہ اٹھا نہ دے
قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہی دور — بسمل تو اپنے ہاتھ سے شرط وفا نہ دے
بے طرح جوشِ گل نے لگائی چمن میں آگ — ڈرتا ہوں آشیانہ کو کافر جلا نہ دے
انعام زمزمہ تجھے بس ہی اے عندلیب — بادِ صبا اگر زرِ گل کو اڑا نہ دے

[۴] مخزن نکات ع۔ عاشق کے دل سے پوچھیے اس غم کو اے فغاں [۵] ایضاً بڑی [۶] تذکرہ میر حسن ع۔ عکس میرا شبِ ہجراں میں تماشائی ہی [۷] ایضاً اور یہ گوشہ تنہائی ہی [۸] ایضاً لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہی۔

دل بیتاب فغاں است ایوب نہیں
نہ اسے صبر ہی ہرگز نہ شکیبائی ہی

قطعہ

خاکساری[1] بھی[2] فغاں کی مل گئی ہی خاک میں — یہاں تلک[3] اسکو کیا پامال تیری راہ نے
خواری و زاری گرفتاری غریبی، بیکسی — جو نہ دیکھا تھا[4] سو دکھلایا دل بدخواہ نے
واہ واہ جو کچھ ہوا ہر حال وہ شاکی نہیں — یہاں تلک تو کام پہنچا یا ہی اس کا چاہ نے

چشم گریاں آہ سوزاں خستگی[5] دلبستگی!
شکر اس کا کیجیے کیا کیا دیا اللہ نے

جو بہا چشم سے خوں گوشۂ داماں جانے — ہاتھ سے[6] جو کہ ہوا کام گریباں جانے
کیا کہوں زخم جگر کی تو زباں قاصر ہی — یار کے حق نمک کو وہ نمک داں جانے
کوئی دانا بھی خرابی میں قدم رکھتا ہی — میں تو ناچار تھا اے دل تو ہی ناداں جانے

اے فغاں سہو سے پا برگ گل اوپر مت رکھ[7]
ان پھولوں کا مزا خار بیاباں جانے

دل[8] زلف میں الجھے[9] مجھے آرام یہی ہی — میں صید بلاکش ہوں میرا دام[10] یہی ہی
یہاں تک ہی ہوا خاطر عالم سے فراموش — پھر کوئی نہ پوچھے کہ تیرا نام یہی ہی

---

[1] یہ غزل پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ہی [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بھی" ندارد [3] ایضاً "تاب" [4] ایضاً یہ مصرع بہت ہی غلط لکھا ہوا ہی: یہاں تلک تو کام ہو دیا یا آشنکارا ہیں [5] ایضاً خستگی [6] ایضاً دست جو کہ ہوا کام گریباں جانے [7] مجموعۂ نغز ع بھول کر پا نو دن گل پہ نہ رکھیو زنہار نسخہ خان بہادر محمد شفیع — اے فغاں بھول کے پا برگ گل مت رکھو۔ ان پھولوں کا مزا خار گریباں جانے [8] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ دل زلفوں میں الجھے [9] گلشن ہند (صفحہ ۱۳۱) الجھا [10] تذکرہ میر حسن "مرا کام"

کر چاک گریبان تجھے ہر صبح دکھاؤں | میں عاشق صادق ہوں[1] میرا کام یہی ہے

بھر پیچیو دامن میں فغاں لخت جگر کو[2]

ہم خانہ[3] بدوشوں کا سرانجام یہی ہے!

تار کی طرح کہیں زلف بتاں سے ٹوٹے | یا الٰہی دل بیمار بلا سے چھوٹے

آب میں ڈوب گئے سر سے قدم تک بوٹے | آج گلشن میں مرے دل کے پھپھولے پھوٹے

طاق نسیاں پہ نہ رکھ شیشۂ دل کو ظالم | یہ نہ ہووے کہ میرا آبلۂ دل پھوٹے

یہ بھلا سچ ہے کہ میری نعش پہ تو رووے گا | یہ تو کہنے کی نہیں باتیں ارے چل جھوٹے

کر دیا وقف مرے کلبۂ احزاں کو فغاں

خوان یغما کے یہ معنی ہیں جو چاہے لوٹے

مجھ دل ناشاد کو ہر وقت[4] غم سے کام ہے | کیا خوشی یارو زمانہ میں کسی کا نام ہے

کیوں جگر کھو دوا کے ہوتا ہے نگیں تو روسیاہ | غیر کا ہی اسم یہاں کیا خاک تیرا نام ہے[5]

کیا کروں جنت کو لے کر اے مرے غلمان وقت

تو نہیں گر واں تو کس کافر کے تئیں آرام ہے

گر کوئی مارا پڑے تیری بلا سے کیا ہے تجھے | بلکہ[6] خوش آتا ہے اے ظالم یہی چرچا تجھے

کھول کر بند قبا کس کس[7] سے تو ملتا نہیں | آپ سے ہم نے غرض ہوتے نہ دیکھا اب تجھے

اس[8] میرے پیماں شکن کو[9] اس میرے بدعہد کو[10] قطعہ | لکھ میرے کاتب اگر آتی ہے یہ انشا تجھے

کچھ تو باعث ہے فغاں کا نامہ یہ پھرتا نہیں

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہوں" ندارد [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کوں" [3] ایضاً "ہم خانہ بدوشاں کا" [4] ایضاً "ہر وقت سے" [5] ایضاً "ہے" اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہے:

اے فغاں کیوں دل پھنساتا ہے تو ان زلفوں کے بیچ | جان لے چھوڑے گا تیرا یہ تو کافر دام ہے

[6] تذکرہ میر حسن ص۱۲۱ "بلکہ" [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع: "کس کس کوں ملتا نہیں" [8] ایضاً "اوس" [9] ایضاً "کوں" [10] ایضاً "کوں"

یا اسے حالت میری بھولی ہی ظالم یاد تجھے[1]

تیر نگہ حریف دل بے قرار ہی | تک جنبش مژہ میں کلیجے کے پار ہی
تو آج پیچھے تو مچا لے چمن کے بیچ | کل عندلیب رخصت فصل بہار ہی
ہیں گے برنگ شیشۂ ساعت یہ دوستاں | منہ پر ملے ہیں صاف پہ دل میں غبار ہی

کھلتے ہیں خود بخود تیرے بند قبا فغاں
کس سیم تن سے وعدۂ بوس و کنار ہی

مفت سودا ہی ارے یار کہاں جاتا ہی | آ میرے[2] دل کے خریدار کہاں جاتا ہی
کج کلہ تیغ بکف چیں بہ ابرو بے باک | یا الٰہی یہ ستمگار کہاں جاتا ہی
گو مغیلاں کے نہیں دشت میں آتش دیویں | چھوڑ پاؤں کو میرے خار کہاں جاتا ہی[3]

لیے جاتی ہی اجل جان فغاں کی[4] اے یار
بیچو تیرا گرفتار کہاں جاتا ہی

جام دے ہی تو ابھی[5] موسم باراں باقی | یہی رہ جائے گا ساقی تیرا احساں باقی
توڑ[6] دوں ان کو بھی ناصح تو رخصت کیجیو | رہ گئے ہیں یہ کئی تار گریباں باقی
پاؤں کا ایک پھپھولا بھی رہا نہیں دل میں | تشنہ ہی تشنگی خار بیاباں باقی

---

[1] ایضاً "یہ" اس غزل میں ایک شعر اور ہی جو ٹھیک سے پڑھا نہیں جاتا:

اپنے گھر لاتے ہوئے آتی ہیں لاکھوں احتراز | غیر کے گھر میں نہ لے جاوے خدا تنہا مجھے

[2] مجموعہ نغز (ص[illegible]) اے مرے دل، مخزن نکات (ص[illegible]) او میرے دل، آب حیات (ص ۱۱۶) آ مرے دل، نسخہ خان بہادر محمد شفیع "اے میرے دل" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ چھوڑ یاروں کو میرے یار کہاں جاتا ہی [4] دیوان کے قلمی نسخہ میں "کا" ہی، نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "کی" "آب حیات" کو [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بجھے"

[6] ایضاً توڑ دو سب کو ہی ناصح تو رخصت کیجیو۔ رہ گئے ہیں کئی اب تار گریباں باقی۔ یہ شعر فاضل ہی:-

یار راضی ہو تو اس سے یہ کہیں ہم سودا | لے فغاں دل تو کیا مفت ہی اب جان باقی

یار راضی ہو تو بوسہ پہ کریں ہم سودا
اے فغاں دل تو گیا مفت ہے اب جان باقی

جو رو تلک نہیں ہے وہ شوخ پھر تو کیا ہے ۔ گر ہے خدا تو اس کے جلوہ میں دیکھا کیا ہے
نام و نشاں سے فارغ رہیے تو خوب رہیے ۔ آسودۂ زمیں پہ ماٹی کا ڈھیر کیا ہے
سر تا قدم تلک دل کیوں کر نہ ہو تصدق ۔ چھیڑے گا پیچ تسپر دامن کا گھیر کیا ہے
ہے راہ عشق مشکل آساں نجان اس کو
نہ جائے گا فغاں تو اتنا دلیر کیا ہے

خون جگر کو جام محبت میں بھر چکے ۔ ساقی پہنچ شتاب کہ مخمور مر چکے
نخل مراد موسم پیری میں کیا پھلے ۔ جو دن میرے شباب کے تھے سو گذر چکے
اے شہسوار نام نہ لے تو رکاب کا ۔ سر کو اسی لئے تیرے پاؤں پہ دھر چکے
جراح کیا سبب ہے فغاں کا یہ زخم دل
کچھ روز بہ نہیں کئی پھائے اتر چکے

چشم پر نم میرے حق میں حلقۂ زنجیر ہے ۔ کس طرح آزاد ہوں آنسو بھی دامن گیر ہے
کچھ نظر آتا نہیں اس میں بغیر از انتظار ۔ یہ تیرا حیرت زدہ کیا دیدۂ تصویر ہے
جبہ سائی کا نشاں جاتا ہے پیشانی سے کب[1] ۔ کیا مٹا دے گا کوئی اس کو خط[2] تقدیر ہے
خاک میں کیوں[3] دفن کرتا ہے فغاں کی لاش کو
اے میرے قاتل یہ عاصی قابل تشہیر ہے

کون کہتا ہے کہ حلاجوں کا یہ دستور ہے ۔ کلمۂ حق جو کوئی بولا وہی منصور ہے
ہاتھ میں لیتا تو ہے دل کو دلیکن دیکھ لے ۔ مت بکس جا دے کہیں ظالم یہ شیشہ چور ہے

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کیا" [2] ایضاً اس کوں [3] ایضاً کیا

ایک دم خالی نہ پایا اشک سے اس آنکھ کو — چشم زخم دیدۂ پرنم مگر ناسور ہی
لامکاں میرے کا ہو دیدار حاصل سو کہاں — دل سے گو نزدیک ہی لیکن نظر سے دور ہی

بزم خوباں میں فغاں لیتے نہیں عاشق کا نام
غیر کا یہاں ذکر ہی تیرا کہاں مذکور ہی

مسیحا تو ہوئے میرے تیرے اعجاز کے صدقے[1] — جلایا پھر مجھے بلبل تیری آواز کے صدقے
کہاں جاتی ہی خوبی حسن کے خط کے نکلنے سے — تیرے انجام کے قرباں تیرے آغاز کے صدقے
شراب و ساغر و مینا رباب و مطرب و قانون — عجب سامان سے آیا ہی تو اس ساز کے صدقے

فغاں سوئے چمن کنج قفس سے ہم اسیروں کو
اڑا کے لے گیا اپنے پر پروانہ کے صدقے[2]

کیوں کر ہو زندگی میرے غم خوار مر گئے — جو باعث حیات تھے وہ یار مر گئے
آنکھیں کہاں رہیں جو رواں ہوں تنک طفل — اس کارواں کے قافلہ سالار مر گئے
طالع کہاں جو تیغ نگہ سے شہید ہوں — ہم سے غریب اپنے تئیں مار مر گئے
باقی کہاں رہی ہیں زمانہ میں اہل دل — روتے تھے روز و شب سو وہ بیمار مر گئے
ہم کو برنگ نقش قدم کچھ قیام ہی — اکثر تو زیر سایۂ دیوار مر گئے
کالاے بد ہوا دل عشاق واہ واہ — بے قدر ہی یہ جنس خریدار مر گئے

خالی پڑے ہیں یہ قفس سینہ اب فغاں
رہتے تھے یہاں جو مرغ گرفتار مر گئے

مجھے تو تعزیہ دار اپنا کر گئے اپنے — کہ جو شفیق تھے وہ دوست مر گئے اپنے

---

[1] ایضاً مسیحا تو ہوے اگر تیرے [2] ایضاً اس نسخہ میں مقطع یہ ہی

بغیر اس کے فغاں کے درد کو پاتا ہی کب کوئی — ہوا ہی ہم تو میرے ایسے دمساز کے صدقے

عبث کو تڑپھے[1] ہے کنج قفس میں مرغ چمن ۔ اسی تڑپھنے[2] میں تو بال و پر گئے اپنے

میرا انتقام ہے[3] اس سرزمیں پہ عار یہ " ۔ ادھر کو جاتا ہے آخر جدھر گئے اپنے

میرے جو مانع گریہ ہوئے تھے وہ مردم ۔ سرشک چشم سے دامن کو بھر گئے اپنے

نہ لوں میں کیونکہ عزیزاں سراغ سیل سرشک ۔ ان آنسوؤں میں تو لخت جگر گئے اپنے

گئے تو ڈھونڈتا پھرتا ہے اے فغاں تنہا

کہ اس سرا کے مسافر تو گھر گئے اپنے

سینہ کو فقط میں نہ کیا تیر کے آگے ۔ سر کو بھی جھکایا تری شمشیر کے آگے

افسردگی دل نہیں چاہے ہے چمن کو ! ۔ بے لطف ہے گل بلبل تصویر کے آگے

فرہاد تیری کوہ کنی ٹھہرے گی کیونکر ۔ ڈرتا ہوں کہیں خوں نہ بہے تیر[؟] کے آگے

سنتے نہیں اب زمزمۂ مرغ چمن کو ۔ خاموش ہے میرے نالۂ شبگیر کے آگے

اس وقت میں جو نام فصاحت کا فغاں لے

کب پیش لے جاوے میری تقریر کے آگے

اٹھ چکا دل میرا زمانہ[4] سے ۔ اڑ گیا مرغ آشیانہ[5] سے

دیکھ کر دل کو مڑ گئی مژگاں ۔ تیر خالی بہا نشانہ[6] سے

چشم کو نقش پا کروں کیونکر ۔ دور ہو خاک آستانہ سے

ہم نے پایا تو یہ صنم پایا ۔ اس خدائی کے کارخانہ[7] سے

تیرے زنجیر زلف سے نکلے ۔ یہ توقع نہ تھی دیوانہ سے

اے فغاں درد دل سنوں کب تک

اوڑ گئی نیند اس فسانہ سے

---

[1] گلشن ہند " تڑپے [2] گلشن ہند " تڑپ " [3] ایضاً مرا [4] گلشن ہند (ص ۱۳۱) مرا زمانے
[5] ایضاً آشیانے [6] ایضاً نشانے [7] ایضاً کارخانے

اس جور و جفا سے تیرے زنہار نہ ٹوٹے — یہ دل تو کسی طرح سے اے یار نہ ٹوٹے

غیروں کو نہ کر مجھ دل بسمل کے مقابل — جو زنگ لگا نے تیری تلوار نہ ٹوٹے

وہ شیشۂ دل ہو کہ اسی سنگ جفا پر — سو بار اگر پھینکیے یک بار نہ ٹوٹے

رکھ قیس قدم وادی لیلےٰ میں سمجھ کر — اس دشت محبت کا کوئی خار نہ ٹوٹے

جنبش میں نہ لا سبحۂ اسلام کو اے شیخ — نازک ہی میرا رشتۂ زنار نہ ٹوٹے

شانہ سے فغاں پھر اولجھتا ہی میرا دل
اس کاکل مشکیں کا کوئی تار نہ ٹوٹے

عشاق تیرے گرمی بازار کر گئے — اس جنس کو گراں بہ خریدار کر گئے

گویا میں خاک ہوں میرے مر گئے وہ ہمنفس — مجھ کو بہ رنگ صورت دیوار کر گئے

وے جو قمار عشق میں بدتے تھے دل فغاں
جیتیں گے خاک دل کو یہاں ہار کر گئے

لاکھوں اذیتوں کے سزاوار ہو چکے — عاشق ہوئے کہاں کہ گنہگار ہو چکے

اے سرو قد نہ آ تو قیامت میں کیا رہا — آسودگان خاک بھی بیدار ہو چکے

جو چہچہے چمن میں مچاتے تھے روز و شب — وہ مرغ تو قفس میں گرفتار ہو چکے

دل ہی بساط میں سو لگانا اسے فغاں!
سودا ہو یا نہ ہو پہ خریدار ہو چکے

پامال عشق کوچہ الفت سے کیا چلے — چلتے ہیں ہم یہاں سے اگر نقش پا چلے

لعنت جگر کو دیکھ کے کہتے ہیں طفل اشک — گر چل سکے تو ساتھ ہمارے چلا چلے

ہر دم ہو کون حاجب درباں سے ملتجی — ہم اس گلی میں خاک سر اوپر اڑا چلے

روکے کسے کسے یہ میری آستین فغاں
وہ تو جدا چلا میرے آنسو جدا چلے

اے عندلیب زمزمہ کر لے پکار کے — آئی خزاں چمن میں چلے دن بہار کے

کیا پوچھتے ہو خاک ہیں[1] کوچہ میں یار کے — مارے[2] ہوئے پڑے ہیں کئی انتظار کے

ساقی مجھے تو ساغر نرگس میں دے شراب — کھلتی نہیں ہی چشم تو مارے خمار کے

کیوں کر کوئی زیارت زخم جگر کرے — پردے اٹھے[3] نہیں ہیں دل داغدار کے

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں

بندہ ہیں ہم تو اس تیرے صبر و قرار[4] کے

نہ حیا چشم میں ہے[5] نے دل میں وفا رکھتا ہی — آپ سے تو نہیں رہتا ہی خدا رکھتا ہی

توڑ کر دل میرے ساقی نے ندامت کھینچی — جب میں آتا ہوں تو شیشہ کو چھپا رکھتا ہی

دل میں اس شوخ کے ہو پاس وفا سو معلوم — کہنے[6] سننے کے لئے بات بنا رکھتا ہی

دل میں یہ تھا کہ نہ جاوے تیرے کوچہ سے فغاں

کیا کرے یار خدا تجھ سے جدا رکھتا ہی

اس آئینہ کو گرد کدورت سے ننگ ہی — دل پر غبار خاطر احباب زنگ ہی

جاتا ہی کس طرف کو چلا کاروان عمر — لے کر بقا سے تا بہ فنا یک شلنگ ہی

کیا کیا مزہ تڑپ کے دکھاوے یہ مرغ دل — افسوس وسعت قفس سینہ تنگ ہی

جاتی رہی فغاں تیرے دل کی شگفتگی

اس گل کو کیا ہوا کہ نہ بو ہی نہ رنگ ہی

بے فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے — فغاں میں اس کے تصدق ہوں جو نباہ کرے

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "ہیں" [2] ایضاً مارے گئے ہوئے ہیں تیرے انتظار کے [3] کھلے نہیں [4] گلشن بے خار (صفحہ ۲۲۴) اور سخن شعرا (صفحہ ۳۶۹) میں یہ مصرع اس طرح ہی ع - یہاں تک گماں نہ تھا تیرے صبر و قرار کا [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "نہ" [6] ایضاً "کوں" [7] ایضاً میرے کہنے کے لیے [8] ایضاً بچھوڑے تیرے درختوں کو (؟) فغاں

نہ دوستی سے وہ ہوتا ہی مانع فریاد — غرض تو یہ ہی کہ مر جائے[1] پر نہ آہ کرے

ہمارے جرم کو چاہا تیری کریمی نے

اسی کے واسطے بخشش ہی جو گناہ کرے

سوائے خاص و عام ہوں جاؤں جہاں لیے — اس داغدار دل کو پھروں ہیں کہاں لیے

واہوں برنگ گل جو سخنداں ملے کہیں — غنچہ صفت خموش ہوں منہ میں زباں لیے

اس قافلہ کے بیچ صدائے جرس نہیں — جاتا ہی[2] سیل اشک عجب کارواں لیے

ناحق تو خاک چھانتا پھرتا ہی اے ہما — اس کے سگاں نے[3] کو میری استخواں لیے

قطعہ

شکوہ ہیں کب کیا تیرے جور و جفا کا یار — گلگوں کفن کو اپنے پھروں ہیں کہاں لیے

سینہ برنگ تختۂ لالہ ہوا ہوا — تو نے ہزار داغ دئے ہم نے ہاں لیے

دل تھا میری بساط میں سو دے چکا فغاں

اب بھاگنا پڑا ہی مجھے اپنی جان لیے

قاتل کے دم تیغ سے یہ بوالعجبی ہی — بسمل کی زبان پر طپش تشنہ لبی ہی

آنکھیں تیرے پانوؤں سے لگیں عین سعادت — دامن کو تیرے ہاتھ لگے بے ادبی ہی

ممکن نہیں جو غیر کا اس میں نہ پڑے عکس — یہ آئینۂ صاف دلاں گو حلبی ہی

قطعہ

یہاں ذکر دوئی کا نہیں احمد کو احد جان — اس پردۂ اسرار میں اللہ بنی ہی

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مر جاوے" ۲ کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ میں "جاتی ہی" ۳ کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ میں یہ مصرع اس طرح درج ہی: اس کے سگاں کو بھی میری استخواں لیے

دامن نہ فغاں چھوڑیو تو آل عبا کا
اے قبلۂ دلہا یہ قبائے عربی ہے

صنم[1] نامہرباں ہے اس قدر اے میرے رب کیا ہے — میری تقصیر کچھ ثابت نہیں وجہ غضب کیا ہے

قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہوں یوں کہتا ہے جھنجلا کر — یہ گستاخی مجھے بھاتی نہیں اے بے ادب کیا ہے

ہمارے دل کو الفت اس قدر کچھ ہو گئی غم سے — خوشی کا نام سنتے ہی نکل جاوے عجب کیا ہے

صبا[2] ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر
گریباں چاک رہتا ہے فغاں اس کا سبب کیا ہے

ہمارا محرم دل تو خدنگ یار بہتر ہے — رہے سینہ میں عاشق کے یہی غمخوار بہتر ہے

مجھے گلشن میں مت بھیجو مجھے صحرا میں مت پھینکو — مرا رہنا تو زیر سایۂ دیوار بہتر ہے

ہوا ہے رشتۂ الفت رگ جان بت پرستوں کا — تری تسبیح سے زاہد مرا زنار بہتر ہے

فغاں سن کر مری فریاد یوں کہتے ہیں ہمسایہ
ہوا معلوم کچھ آگے سے یہ بیمار بہتر ہے

معمور[3] ہے یہ باب قفس باز کہاں ہے — گو باز ہو یہاں طاقت پرواز کہاں ہے

یہ بندہ نوازی ہے اگر خط نہ[4] ترا شو — چہرہ تو ابھی صاف ہے[5] آغاز کہاں ہے

باعث تو بتا اپنی خموشی کا چمن میں
اے بلبل نالاں ترا دمساز کہاں ہے

---

[1] تذکرہ ہندی (ص ۱۶۲) صنم نامہرباں کیوں اس قدر وجہ غضب کیا ہے۔ مری تقصیر کچھ ثابت نہیں اے میرے رب کیا ہے۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع صنم نامہرباں کیوں اس قدر اے میرے رب کیا ہے۔ میری تقصیر ثابت بے وجہ غضب کیا ہے [2] ایضاً صبا ہر اک گلشن میں پوچھو تو بجا ہر گہ [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع معمور اب باب قفس یار کہاں ہے۔ گر باز ہوئے طاقت پرواز کہاں ہے [4] ایضاً تو [5] ایضاً "ہے" ندارد

عاشق کا دل تجھے گر مطلوب ہے تو یہ ہے
گر زشت ہے تو یہ ہے اور خوب ہے تو یہ ہے

پردہ اگر دوئی کا اٹھ جاوے تو دکھا دوں
معشوق ہے تو یہ ہے محبوب ہے تو یہ ہے

تحقیق کر چکا ہوں اس چشم و دل کو اپنے
یعقوب ہے تو یہ ہے ایوب ہے تو یہ ہے

اب کیا علاج کیجے خانہ خراب دل کا
ہوشیار ہے تو یہ ہے مجذوب ہے تو یہ ہے

لخت جگر فغاں نے اب نامہ بر کیا ہے
پیغام ہے تو یہ ہے مکتوب ہے تو یہ ہے

یہ دل ترے وصال کا مذکور کیا کرے
مقدور جب نہ ہووے[1] تو مجبور کیا کرے

اب درِ گذر جاسے ہیں سجدہ[2] بھی کر چکا[3]
کچھ معذرت ہی نہیں معذور کیا کرے

چنداں عجب نہیں ہے جو رسوا ہوا فغاں
تشہیر گر نہ ہووے[4] تو مشہور کیا کرے

غیر از دوئی کے مانع دیدار کون ہے
وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے

بیم غضب رکھے ہے مجھے مغفرت سے دور
تو وہ کریم ہے تو گنہ گار کون ہے

جاگا کوئی نہ خواب عدم سے کہ پوچھے
آسودگان خاک میں بیدار کون ہے

میں مر گیا پہ آہ نہ پوچھا[5] فغاں مجھے
درد جگر کسے ہے یہ بیمار کون ہے

مرتے مرتے بھی نہ نکلی آرزو بیمار کی
رہ گئی حسرت میرے جی میں ترے دیدار کی

آج کی شب تو خبر لے دل افگار کی
صبح تک کچھ اور حالت ہے ترے بیمار کی

ایک دن تو آ میرے خورشید اپنے بام پہ
دیکھتا کب تک رہوں صورت در و دیوار کی

---

[1] ایضاً نہوے [2] ایضاً سجدے [3] ایضاً کر چکا ہوں [4] ایضاً نہ ہوئے
[5] گلشن بےخار ص ۲۲۱ "پر"

کیوں میرے قاتل کوئی مجھ سا خریدار ہوں نہیں ہے
جی نکلے دوں یوں اگر قیمت تیرے تروار کی

ہو اشک میری چشم سے کب تک رواں رہی
اس قافلہ کو دیکھیے تھک کر کہاں رہی

آوے تو زندگی ہی نہ آوے تو یا الغیب
جیتا رہی وہ یار ہمارا جہاں رہی

دل کیا ہی ایک قطرۂ خون ہی ٹپک چکا
یہ زخم وہ نہیں کہ سدا خون چکاں رہی

اتنا گداز شیشۂ دل کیجیو فغاں
جس میں کہ پاس خاطر نازک دلاں رہی

اے ترک چشم فوج خط سیاہ بس ہی
غارت کو ملک دل کی اتنی سپاہ بس ہی

کب ہی یہ محضر دل محتاج شاہدوں کا
داغ جگر ہمارا اس کا گواہ بس ہی

رشتہ کو ہی گہر سے جو ربط یار دلی کا
اتنی بھی اس کے دل میں ہو مجھکو راہ بس ہی

مجھ کو فغاں کہاں ہے نالہ کشی کی طاقت
لب تک بھی آکے پہنچے یہ دود آہ بس ہی

رہتی تھی نت گرفتہ دلی غنچہ ساں مجھے
لائی شگفتگی پہ یہ میری زباں مجھے

کر چاک جیب صبح قیامت دکھایئے
پر ہی عزیز خاطر آسودگاں مجھے

کس طرح سے رہی میری عریاں تنی کا لطف
رنگین کرے ہی زخم دل خونچکاں مجھے

آکر میرے گلے سے لگے ہی ہرایک دم
جانا ہی تیری تیغ نے سنگ فساں مجھے

بے وقر تر ہوا ہوں سگ کوئے یار سے
دتکارتا رہی ہی سدا پاسباں مجھے

کرنی پڑی ہی اب تو فغاں یاد رفتگاں
اس دل نے کر دیا جرس کارواں مجھے

لے کتب خانہ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخوں میں "تروار" ہی ہے

آج تو یار میرا مجھ سے جدا ہوتا ہے — جی رہے یا نہ رہے دیکھیے کیا ہوتا ہے

گر پڑا آہ زمیں پر یہ میرا طفل سرشک — اٹھ سکے تو میری پیری کا عصا ہوتا ہے

کہو منعم کو نہ مغرور ہو مانند حباب — ایک دم میں سبھی اسباب فنا ہوتا ہے

گر کرے دل تیری غلامی تو میرا ننگ نہیں — عشق میں بادشہ وقت گدا ہوتا ہے

سجدۂ شکر میں گر خاک جبیں ہو جاوے — کب تیرا حق میری گردن سے ادا ہوتا ہے

ذکر کیوں غیر کا کرتے ہو فغاں کے آگے
انھیں باتوں سے یہ کم بخت خفا ہوتا ہے

رکھ ہاتھ میں اس نگ کو یہی ناموری ہے — لخت دل عشاق عقیق جگری ہے

اس دل کو الٰہی کہیں آسیب نہ پہنچے — بل ٹھیس سے ڈرتا ہوں کہ شیشہ میں پری ہے

رونے دے شب وصل میں دل کھول کے مجھ کو — یہ قافلۂ اشک سحر تک سفری ہے

پابند نہیں رخصت پروانہ کا ہرگز — یہ دام تعلق میری بے بال و پری ہے

صنعت کے یہ معنی ہیں کہ ٹوٹے کو بنا دے — دل توڑنا یہ کون فن شیشہ گری ہے

ہوں عاشق دل سوختہ جوں سرو چراغاں — اس نخل کی ٹہنی نہ ہری ہے نہ بھری ہے

کیوں پھونکتا رہتا ہے فغاں داغ جگر کو
بجھ جائے گا آپ ہی یہ چراغ سحری ہے

مجھے رسوا کریں گے خلق میں وہ راز کیا سمجھے — خدا جانے کہ میں نے کیا کہا غماز کیا سمجھے

ہزاروں مجھ سے نالاں ہیں کہ وہ کیوں مجھ پہ مرتے ہیں — میری فریاد کیا جانے میری آواز کیا سمجھے

میری طفلی ہی میرے حق میں حکم دام رکھتی ہے
رہا ہونا قفس سے صید نو پرواز کیا سمجھے

وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہیے[۱] — اپنی طرف سے ہاں میرے صاحب بنا ہیے

---

۱ مجموعہ نغز۔ وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں اس کو چاہیے۔ اپنے کئے کو اسے میرا صاحب نباہیے۔
نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ وہ چاہے گر نہ چاہے فغاں آپ چاہیے

یک داغ ہو بلا سے تو اس کا کروں علاج[۱] — کیا کیا ستم ہے میری چھاتی سرا ہے

مارا ہے مجھ کو اس دل بیمار نے فغاں
کب تک رہے گا یہ درد کہاں تک کراہیے

بچے یہ شیخ یارب گالیاں کھانے کے کام آوے — نہ مقبول حرم ہووے نہ بت خانے کے کام آوے
مجھے کر ذبح کہتا ہے میرا قاتل کہ یہ بسمل — اگر جیتا بچے تو پھر مرجانے کے کام آوے
ہمیں مدفون اپنے میکدہ میں کیجیو ساقی — کہ خاک مے پرستاں تیرے پیمانے کے کام آوے
ہوئی ہے فرش رہ اس آرزو میں چشم عاشق کی — کہ تا ہو کر مژہ جاروب کاشانے کے کام آوے
خدا کے واسطے ظالم گرہ مت زلف کو دینا — کھلی رکھنا کہ یہ زنجیر دیوانے کے کام آوے

فغاں گزرے ہے جو دل پر اسے تحریر میں لانا
کہ تیرا قصۂ جانکاہ افسانے کے کام آوے

سب مزے لے کے تیری بزم سے خورم گئے — ایک ہم کمبخت دل رکھتے تھے چشم نم گئے
میں نہیں رکھتا تیرے کوچہ سے جانا چشم تر — ڈبڈبا کر آگئے تھے اشک لیکن تھم گئے
کیا دکھاؤں میں تجھے جراح یہ زخم جگر — اب اٹھا سکتے نہیں تجھ سے یہ پھاہے جم گئے

اے فغاں طاقت کہاں دل میں جو کھینچے انتظار
یار جب آوے گا تب کی بات اب تو ہم گئے

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے — عجب حالت ہے میری اے مرے[۲] اللہ کیا کیجے
عبث ان حاسدوں نے دیدۂ یعقوب کو تر کر — زلیخا کا ڈبویا خانماں اے جاہ کیا کیجے

قطعہ

نصیحت فائدہ رکھتی نہیں شیخ و برہمن کو — ندامت آپ کھینچیں گے انہیں آگاہ کیا کیجے

---

۱ تذکرہ ہندی و نسخہ خان بہادر محمد شفیع ۔ مرجائے کسی کو نہ دنیا میں چاہیے ۲ تذکرہ ہندی "مرے"

فغاں میں نے تو یہ کچھ آنہ مایا دیر و کعبہ میں
مراد دل نہ بر آئی انھوں سے راہ کیا کیجے
کیا جو دیر میں تو سر پٹک کر یہ کہا میں نے
اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے
جو آیا پھر حرم میں تو وہاں یہ عرض کی میں نے
عجب حالت ہی میری اے میرے اللہ کیا کیجے

صیاد اور صید کی مت کر ہوس ابھی[1]
معمور مشت پر سے ہی کنج قفس ابھی
شاید گذر رہی ناقہ لیلیٰ کا دشت میں
آئی ہمارے گوش میں بانگ جرس ابھی
نالاں نہ ہو تو یار کے شکوہ[2] سے با نہ آ
سن پائے گا فغاں کوئی فریاد رس ابھی

باغ و بہار جس کی نظر میں خزاں لگے
تو ہی بتا کہ یہ دل وحشی کہاں لگے
تیرے خدنگ ناز کے اوپر دل و جگر
قربان ہو رہی ہیں نشانہ جہاں لگے
رکتا ہی دل فغاں میں کہاں تک ہوں خموش
گر درد دل کہوں ہوں تو کہتا ہی ہاں لگے

مارا پڑا ہی تو بھی قاتل سے منفعل ہی
وہ کون ہی ہمارا خانہ خراب دل ہی
مر جاؤں تو بھی میرے احوال کو نہ پوچھے
ظالم ہی سنگ جو ہی کافر ہی سنگ دل ہی
ہے چشم عاشقاں میں خال سیہ کو دیکھو
جس کی یہ مردمک ہی مردم کہیں ہیں تل ہی
احوال کچھ نہ پوچھو خانہ خراب دل کا
بیمار و ناتواں ہی رنجور و مضمحل ہی
دیکھیں فغاں کی حالت روز جزا میں کیا ہو
عاصی ہی رو سیہ ہی نادم ہی منفعل ہی

---

[1] تذکرہ میر حسن (ص ۱۱۴) صیاد اور صید کے منکر ہوس ابھی (جو غلط ہی)
[2] ایضاً شکوے

رباعیات

(۱)

ہم وہ نہیں جو وصل میں سوتے رہتے
مژگاں ہیں درِ اشک پروتے رہتے
بے خندۂ یار کیا ہو گریہ میں مزا!
ہنستا رہتا تو ہم بھی روتے رہتے

(۲)

فاسق گر، ہجو عاشق پاک کرے
عاشق جو سنے نہ دل کو غمناک کرے[۱]
رہتا نہیں دل میں سینہ صافوں کے غبار[۲]
آئینہ میں گرد کیا اثر خاک کرے

(۳)

گو منہ میں نہیں بات نوا رکھتے ہیں
ہاتھوں میں نہیں زر پہ دعا رکھتے ہیں
تم ہم سے جو کہتے ہو یہ کیا رکھتے ہیں
ہم کچھ نہیں رکھتے ہیں خدا رکھتے ہیں

(۴)

کن کن طرحوں سے آزمایا ہم کو
کن کن طرحوں میں خوب پایا ہم کو
پامال کیا تھا ہم تو اس میں خوش تھے
دامن کو لٹا کے پھر اڑایا ہم کو

(۵)

دیکھا ہوگا کسی نے یہ عالم صبح
غیر از اس چشم کے جو ہے ہمدم صبح
رونے میں فقط رات کاٹی ہم نے
جلتے رہی شمع صفت "تا دم صبح

(۶)

اے دل آرام تجھ کو ہونا معلوم
دردِ شب ہجر جی سے کھونا معلوم

---

[۱] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع۔ عاشق نہ سنے سے دل کوں غمناک کرے [۲] ایضاً رہتی نہیں دل بیچ سینہ صافوں کی غبار

اس چشم سے خواب کی توقع مت رکھ — رونا تو نصیب ہے میرے سونا معلوم

(۷)

اس سنگ جفا سے دل میرا ٹوٹ گیا — صد شکر کہ ایذا سے فغاں چھوٹ گیا
آسیب ہوا کسی پری کا سو غلط — شیشہ تھا یہ دل ٹھیس لگی پھوٹ گیا

(۸)

آتا ہوں تیرے در کے اوپر جب اے ماہ — کہتا ہے رقیبوں کو نہ دو اس کو راہ!
تو رہ اور تیرے یار رہیں دنیا میں — میں جاتا ہوں ظالم بھلا انشاءاللہ

(۹)

آنے سے میرے یار کے آفت ہوگی — یہ تو معلوم ہے کہ راحت ہوگی
اس چشم کو دیکھ فتنہ برپا ہوگا — جب قد نظر آوے گا قیامت ہوگی

۱۰

اے زخم جگر تو خون جاری کرنا — اے مردم چشم اشکباری کرنا
سینہ میں لگائی شعلۂ آہ نے آگ — ہر وقت مدد سرشک جاری کرنا

۱۱

گر تو نے کی یاری یاری یوں بھی گذری — ہم نے کی آہ و زاری ووں بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا — یوں بھی گذری ہماری یوں بھی گذری

متفرقات

اس قدر چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا — داغ سینہ کا نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تو بھی حیرت میں رہا دیکھ کر آئینہ کو — جو تجھے دیکھ کے حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ کو روزی ہے میری[۵] جان دعائیں لینا — مجھ کو ہر شب تیری[۶] زلفوں کی بلائیں لینا

---

۵ تذکرہ ہندی "مری" ۶ تذکرہ ہندی "تری"

کفر اسلام ایک جا پایا — دیر کو خانۂ خدا پایا
عشق میں خوب آزمائے نصیب — ہم نے کم بخت اپنے پائے نصیب

دل شمع صفت بزم میں افروختہ ہووے — آنا نہ جلانا کہ جگر سوختہ ہووے
اے چشم نہ ہو صحبت مردم سے جدا اشک — اس طفل کو رہنے دے کہ آموختہ ہووے
ہی شرط کہ محتاج نہ ہو پھر رفو کا — گر تار نگہ سے یہ جگر دوختہ ہووے

فانوس میں بہتر ہی منہ شمع کو دکھلانا — پردہ کے اٹھانے سے جل جائیگا پروانہ
مدعی شام سے سرگرم تھا جاسوسی میں — کٹ گئی رات میری تیری قدم بوسی میں
شیخ اس تیرے موذن کی صدا ایسی ہیں — گر اثر پایا تو کچھ نالۂ ناقوسی میں
ہم نے تیرے فراق میں گر جی دیا تو کیا — ایسا ہوا تو کیا ہوا ایسا جیا تو کیا
ناصح تیرا سوزن تو میرا خون پیے گا — اس چاک جگر کے ٹانکے کیا خاک سیے گا
پیمانہ فغاں ہی اے مست پیچ میں لینا — اے زلف سیہ رو تیرا کاٹا نہ جیے گا
نہ دا ہوا نہ میرے دل کو باغ باغ کیا — یہ وہ ہی جسنے کلیجہ کو داغ داغ کیا
سراغ اس کا نپایا کوہ و صحرا میں بھی سر پٹکا — خدا جانے میرا قاصد کہاں بھولا کہاں بھٹکا
کرتا ہی داغ سوزش خون جگر مدد کر — جلتا ہی دل ہمارا اے چشم تر مدد کر
اے آہ اشک میرے چلنے سے رہ گئے ہیں — یہ قافلہ تھکا ہی تو ہم سفر مدد کر
سرگذشت اس دل کی پوچھیگا اگر دیوان حشر — دفتر دل پر میرے تنگ آئیگا میدان حشر
ہیں تجھے مرتے تلک بھی یاد کرتا ہی رہا — داد کو پہنچا نہ میں فریاد کرتا ہی رہا
مر گئے آخر فغاں کنج قفس میں ہم اسیر — نت ہمیں صیاد تو آزاد کرتا ہی رہا
بھلے آئے اپنا برا کر چلے — یہاں کیوں ہم آئے تھے کیا کر چلے

پایا نہ سوز عشق سے ہرگز فراغ دل ۔ جلتا رہا مدام بجائے چراغ دل
کالائے بد کا کون خریدار ہے فغاں ۔ کس طرح سے بکے گا میرا داغ داغ دل
اے آہ جانتے تھے تجھے خیر خواہ دل ۔ تو بھی نکل چلے میرے سینہ سے آہ دل
یہاں تک چلا یہ قافلہ اشک تھک گیا ۔ مسدود ہو گئی ہے فغاں آج راہ دل

کر دیا یار کو جدا تو نے ۔ آہ یہ کیا کیا خدا تو نے
یہ تو رنگ حنا کی رنگت نہیں ۔ کس میں رنگین ہیں دست و پا تو نے
زخم دل ہو گیا فغاں ناسور ۔ کی نہ اس درد کی دوا تو نے

یہ دکھ زخم جگر مرہم زنگار ہوا ۔ یہ میرا راز نہاں اس پہ عیاں ہے کہ نہیں
نامہ بر کاش پھر آوے تو فغاں میں پوچھوں ۔ چھوڑ آیا تھا جہاں دل کو وہاں ہے کہ نہیں
کیا کیا تیرا ستم میری آنکھیں نہ سہہ سکیں ۔ یہاں تک تو پھوٹ پھوٹ یہ روئیں کہ بہ گئیں

ابھی یار نے خط نکالا نہیں ہے ۔ ابھی ماہ کے گرد ہالا نہیں ہے

عاشق کے دل سے ہرگز فرقت کا غم نہ جاوے ۔ یہ درد کم نہ ہووے جب تک کہ دم نہ جاوے
داماں و آستیں سے خونابۂ جگر تو ۔ چسپیدگی نہایت رکھتا ہے جم نہ جاوے

صفائی گوہر معنی کے آگے آب ہے شبنم ۔ بھرے ہیں ساغر گل اشک سے نایاب ہے شبنم
نہ پایا ایک دم بھی برگ گل اوپر قرار اس نے ۔ ترے در کی تو جنبش دیکھ کر بیتاب ہے شبنم

تو منایا کر میرے دل کو پہ یہ بنتا نہیں ۔ جب کہ شیشہ چور ہو جاوے تو پھر بنتا نہیں

دنیا و دیں دل و جاں تجھ پہ کھو چکا ہوں ۔ نام خدا رہا کیا سب کچھ لٹا چکا ہوں
ظالم تیری گلی میں کیوں کر قدم رکھوں اب ۔ یہ خاک وہ ہے جس کو سر پہ اڑا چکا ہوں

کئی داغ سینہ میں رہ جائیں گے ۔ یہ آنسو نہیں ہیں کہ بہ جائیں گے
فغاں حالت نزع میں یار سے ۔ جو کچھ دل میں رکھتے ہیں کہہ جائیں گے

یہاں تلک آہ شرربار کو میں گرم کروں ۔ تو سہی اس دل سنگیں کو ترے نرم کروں

دے لب لعل سے بوسہ نہ کرلے یار حجاب
میری کٹ جائے زباں میں بھی اگر شرم کروں

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے
عجب حالت ہے میری اے میرے اللہ کیا کیجے

جن کی معاش یہ ہو کیوں کر رہیں وہ جیتے
لخت جگر کو کھاتے خون جگر کو پیتے

چاک جگر ہے ناصح مت جانیو گریباں
چھن جائے گا کلیجہ آخر کو سیتے سیتے

گذر جب سے کیا تیری گلی میں
گدائی کا تصور بندھ رہا ہے

صنم کہنے سے کب خوش ہے وہ کافر
خدائی کا تصور بندھ رہا ہے

فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو
جدائی کا تصور بندھ رہا ہے

کیا ہوا کیا مے ہے کیا بدنا ہے کیسا ابر ہے
تشنہ لب مرتا ہوں ساقی آہ میرا صبر ہے

شمع کہتی دیکھ کر جلتا میرا لوح مزار
الاماں یہ تو قیامت دل جلے کی قبر ہے

نہ آنا پاس جب تک باغ سے یہ فصل گل جاوے
تیری بو سے صبا زخم جگر میرا نہ کھل جاوے

قیامت تک رہی وحشت دل مجنوں تیری قائم
نہ پاؤں سے کھلی زنجیر لڑکوں کا غل جاوے

اگر کنج قفس میں یہ دل آزاد آتا ہے
اسیروں سو گرفتاروں کا یہ استاد آتا ہے

خدا حافظ فغاں کس پیچ میں آیا ہے دل اپنا
وہ چیر الٹ پٹا رہ رہ کے مجھ کو یاد آتا ہے

ڈالا ہے مجھے عشق نے اس شوخ کے پالے
دل دیتے ہی مجھ کو تو پڑے جان کے لالے

ٹھکرا نہ اسے اے بت بے رحم کہ یہ دل
پالوں یہ تڑپتا ہے کلیجے سے لگا لے

ہے شرط کہ آگاہ نہ ہوں مردمک چشم
گر دل کو چرانا ہے تو آنکھوں میں چرالے

ہیں اپنے درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے

مخمس

خانۂ دل پہ میرے غم کی گھٹا چھائی ہی
آہ تو برق صفت زور چمک آئی ہی
چشم نے رو کے برشگال ہی دکھلائی ہی
عکس بھی کب شب حرماں کا تماشائی ہی
ایک میں آپ ہوں یا گوشۂ تنہائی ہی

فکر یہ ہی کہیں افشا یہ میرا راز نہ ہو
درد دل سے میرے آگہ کوئی غماز نہ ہو
تا کہ وہ ظالم بے رحم در اندازہ نہ ہو
دل تو رکتا ہی اگر سبد قبا باز نہ ہو
چاک کرتا ہوں گریباں کو تو رسوائی ہی

دل مرا آتش ہجراں سے سدا جلتا ہی
جسم تو شمع صفت غم میں پڑا گلتا ہی
جو کوئی دیکھتا ہی ہاتھ کے تئیں ملتا ہی
طاقت ضبط کہاں اب تو جگر جلتا ہی
آہ سینہ سے نکل لب پہ میرے آئی ہی

میں نے مانا لب خنداں سے تو مرغوب نہیں
اس قدر مجھ کو رلانا بھی تجھے خوب نہیں
چشم عشاق ہی یہ دیدۂ یعقوب نہیں
دل بے تاب فغاں امت ایوب نہیں
نہ اسے صبر ہی ہرگز نہ شکیبائی ہی

(۲)

کوئی دلربائی میں تجھ سا نہ ہوگا
کوئی خود نمائی میں تجھ سا نہ ہوگا
کوئی آشنائی میں تجھ سا نہ ہوگا
کوئی بیوفائی میں تجھ سا نہ ہوگا
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

میں وہ ہوں کہ ہرگز نہ آیا قفس میں
تفنن ہی کرتا تھا اس مشت خس میں
نہ رہتا تھا شائق کسی کی ہوس میں
سو یوں آ گیا دفعتہً تیرے بس میں

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

زمانہ میں آگے پری زاد بھی تھے — وہ ظالم نہ فسنوائے فریاد بھی تھے
نہ تسکین دہ جان ناشاد بھی تھے — ستم گار تھے بلکہ جلاد بھی تھے

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

زمیں لے کے تا آسماں ہم نے دیکھا — فلک سے ملک تک جہاں ہم نے دیکھا
سمک سے سماتک یہاں ہم نے دیکھا — غرض غور کر ہر مکاں ہم نے دیکھا

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

کیا خوب تحقیق لوح و قلم کو! — برابر ہی سمجھا وجود وعدم کو
نہ دلچسپ پایا ہی دیر وحرم کو — برہمن سے لے کر میں دیکھا صنم کو

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

فغاں دہر میں قیس و فرہاد گذرے — وہ کرتے ہوئے داد و بیداد گذرے
مصیبت زدہ شاد و ناشاد گذرے — سبھی کام کے اپنے استاد گذرے

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

(۳)

اس بیوفا کا شکوۂ جور وجفا لکھوں — یا اس دل فگار کا میں مدعا لکھوں
یا چشم اشکبار سے دریا بہا لکھوں — یا جل گئے جگر سینے شعلہ اٹھا لکھوں

قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لے کر قلم کو ہاتھ میں گر میں شکستہ جاں — چاہوں کہ اپنے درد جگر کا لکھوں بیاں
گرتے ہی کلک ہاتھ سے ازبس ہوں ناتواں — لکھ لکھ ہرا یک وقت نہ کہہ تو خدا کو ماں

قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

نے دن کو مجھ کو چین ہی نے شب کو خواب ہی — فرقت سے اس صنم کے قیامت عذاب ہی

مہماں ہوں کوئی دم کا یہ جی جوں حباب ہی — کیا پوچھتا ہی حال نہایت خراب ہی

قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

کہتا ہی دل کہ اب مجھے جلنے کی تاب نہیں — سینہ کہے ہی داغ کا اس جا حساب نہیں

آنکھیں کہیں ہیں روئیں کہانتک کہ آب نہیں — لب اور زباں کو تابِ سوال و جواب نہیں

قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

کاغذ تو جل کے آتشِ غم بیچ خاک ہی — سینہ قلم کا پا میرے مطلب کو چاک ہی

رونے میرے کا شور سمک تا سماک ہی — کیونکہ اتنا زباں سے فغاں دردناک ہی

قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

ہجو حاجی

ایک خانہ خراب ایسا ہی — وہ سزا پاوے اپنے جیسا ہی

خانہ ویراں کیا ہی عالم کا — گھر اوجاڑا ہی ادنی آدم کا

اس کو جنت سے لے نکالا ہی — بوالبشر کو بلا میں ڈالا ہی

لوگ شیطاں کا نام لیتے ہیں — گالیاں مفت اس کو دیتے ہیں

ایک مجھ سے ملا تھا اہلِ عرب — میں نے اس سے کہا یہ کیا ہی سبب

جو ارادہ کرے کہ حاجی ہو — حج کرے معصیت سے ناجی ہو

تم گدھے پر اسے چڑھاتے ہو — اس خرابی سے کیوں پھراتے ہو

اون نے مجھ سے کہا خبر کچھ ہی — بوجھ لیوے گا تو اگر کچھ ہی

ایک ہی شخص ساکنِ پنجاب — حج کے تئیں وہ گیا تھا خانہ خراب

جب وہ پہنچا قریب کعبہ کے — لینے آئے نجیب کعبہ کے

اس کو اشتر پہ لے سوار کیا — مرحبا کہہ بڑا وقار کیا

وہاں کی بہتر یہی سواری ہی — یہی محمل یہی عماری ہی
آن کر لے گئے ضیافت کے — اِنتے جانے ہی یہ قیامت ہی
جا کے پوچھا وہاں شریف کے تئیں — یہ خبر دو تم اس کثیف کے تئیں
سچ بتاؤ تمھیں سر کعبہ — بند رہتا ہی کیوں درِ کعبہ
اس میں کیا سیم و زر جواہر ہی — اس قدر احتیاط ظاہر ہی
سنتے ہی ہنس دیا یہ فرمایا — جانتا ہوں تو جس لئے آیا
تو سمجھتا ہی یہاں خزانہ ہی — یہ خدائی کا کارخانہ ہی
تو اگر لے سکے تو لے جانا — میرا حصہ ہی مجھ کو دے جانا
یہ تو سنتے ہی بے قرار ہوا — وہاں کے چوروں کا جا کے یار ہوا
ان سے جا یہ سوال کرتا ہی — دین کو پائمال کرتا ہی
میں تو کعبہ کو آج ڈھاؤں گا — ایک کٹرا یہاں بناؤں گا
سیم و زر وہاں جو ہاتھ آوے گا — جو بتاوے گا یار پاوے گا
نقب کو کس طرح سے دیتے ہیں — مال کیوں کر کسی کا لیتے ہیں
بول اٹھے چور ہم سمجھتے ہیں — اور یہ کام کم سمجھتے ہیں
لیکن آنے دے یار تو شب تار — تب بجا لاویں بندگی یہ یار
اتفاقاً وہ رات بھی آئی — یاد اس کو وہ بات بھی آئی
لے گئے چوروں کے تئیں گیا گھر سر — جا لا لگا ہی تھا وہاں در سے
ایک کتا عرب کا بھونک اٹھا — پاسباں شور سن کے چونک اٹھا
یوں پکارا کہ چور آئے ہیں — میں نے دو تین ان میں پائے ہیں
دوڑیو دوڑیو شتابی سے — لیجیو لیجیو خرابی سے
لوگ دوڑے تو چور بھاگ گیا — آپ تو ان کے ہاتھ لاگ گئے

رد کے تئیں کر سیاہ خوار کیا　　خر کے اوپر انھیں سوار کیا
تب سے زوّار خوار ہوتے ہیں　　وہاں گدھے پر سوار ہوتے ہیں
وہاں کا مارا ہوا یہاں آیا　　خیر ہو فتنۂ زماں آیا
وہاں ستم خانۂ خدا اوپر　　یہاں جفا آلِ مصطفا اوپر
سیدوں کے تئیں ستاتا ہے
خانۂ اہلبیت ڈھاتا ہے

ہجو دانیال

ایک شخص آشنا ہمارے ہیں　　نہ ہمارے نہ وہ تمھارے ہیں
دل سے وہ آشنا ہیں کھانے کے　　متلاشی ہیں آب و دانے کے
ہاں جی یہ ہی چلن زمانے کا　　کس کو نہیں فکر آب و دانے کا
لیکن اتنا کوئی نہ ہووے گا　　یہ کبھی پیٹ بھر نہ سووے گا
بھوک کا نت خیال رکھتا ہے　　نام بھی دانیال رکھتا ہے
بھوک کی جھانجھ میں جو آتا ہے　　وہ تو اپنا کلیجہ کھاتا ہے
اور کا کب کلیجہ چھوڑے گا　　وہ تو کھانے سے منھ نہ موڑیگا
روبرو آتے اس کے کانپتی ہے　　ڈائن اپنا کلیجہ ڈھانپتی ہے
کہ مبادا یہ اس کو کھا جاوے　　پھیر کیا لیجیے بچا جاوے
ان کے خلف الرشید سے پوچھا　　یا انھوں کے مرید سے پوچھا
کہ کہو پیر کا شغل کیا ہے　　کہنے لاگے عجب تماشا ہے
روز و شب دیکھتا ہوں کھاتے ہیں　　لاؤ کھانا یہی سناتے ہیں
گھر میں کیا کاروبار کرتے ہیں　　بیٹھے ہیں زہر مار کرتے ہیں

جو کوئی سید بخاری ہی — اس کی خدمت میں ان کو یاری ہی
اس سے کیا آشنا ہی کونڈے کا — جا بجا بنتلا ہی کونڈے کا
نت اسی آرزو میں رہتا ہی — سارے ہفتہ کو جمعہ کہتا ہی
شاعروں کی اگر کرے ہی ہوس — جانتا ہی حلیم کو اور بس
اس کے اوپر بھی دانت ہی ان کا — ہیں نو بندہ ہوں پیر کی دھن کا
گر وہ راہِ مشاعرہ پاوے — وہاں تو حافظ حلیم کو کھاوے
میل اگر جانبِ کتاب کرے — نان و حلوا کو انتخاب کرے
جو کوئی پوچھتا ہی اس کی معاش — کہتا ہی میں تو ہوں طعام تلاش
ہو کے باورچیوں کا دامنگیر — کہے اس ہاتھ کو کرو کف گیر
کانٹے سر کو کاٹ وہ بیہوش — کیا عجب دیگ کا کرے سرپوش
بھوک کی جھانجھ میں جو آتا ہی — وہ جلے سوختہ بھی کھاتا ہی
مار ڈالو کسی خرابی سے — ہاتھ اٹھاتا نہیں رکابی سے
دیکھنے میں تو یہ نموبا ہی — لیک کھانے کے وقت یوبا ہی
اس کے تئیں دین سے نہیں کچھ کام — اس کو آئین سے نہیں کچھ کام
اس لئے سیدوں کو مانے ہی — کہ حسینی کباب جانے ہی
قرصِ مہ کو وہ قرصِ نان سمجھ — آسماں کو بجائے خوان سمجھ
کہے ہی کھول منہ کو ہوں مجبور — کہ زمیں سخت آسمان ہی دور
اس کا دنیا میں ہم طعام نہیں — وہ جہاں ہی مگس کا نام نہیں
اتفاقاً اگر کوئی بیمار — راہ میں ان سے ہو گیا ہی دوچار
دیکھتے ہی اسے یہ فرمایا — کہ میرے پوت تو نے کیا کھایا
کیا اجیرن ہوا ہی تجھ کو طعام — تو کرے گا حکیم کو بدنام

یار سچ کہ تجھے مرض کیا ہی — اونے پوچھا تجھے غرض کیا ہی
کہنے لاگا یہ ہی غرض مجھ کو — نہ ہوا یہ کبھی مرض مجھ کو
مست اوپر آپ راگ گاتے ہیں — خاک کاٹے ہیں راک کھاتے ہیں
لے پکھاوج کا کھا گیا آٹا — اس کے تسموں کا تیل بھی چاٹا
میں نے اس سے کہا یہ باجا ہی — لگا کہنے یہ میرا کھاجا ہی
بے دھڑک ہو کے اس لئے گایا — اون نے تو تان سین کو کھایا
یوں کہے ہی مرے کی سکر تان — ایک جرما تھا میرا نعمت خان
اس سے نام خدا کبھی نہ سُنا — غیر ذکرِ خدا کبھی نہ سُنا
لے کے تسبیح کو وہ قرم ساق — یہی پڑھتا پھرے ہی یا رزاق
بُرا کہنے سے کب وہ ڈرتا ہی — گالیاں کھا کے پیٹ بھرتا ہی
رہ گئی آرزو یہی جی میں — نہ رہیں پانچوں انگلیاں گھی میں
ایسے بھوکے کو موت اگر آوے — گور میں بھی کفن نگل جاوے
حشر تک گرسنہ رہے گا وہ — مرتے مرتے بھی یہ کہے گا وہ
نہیں مجھے اعتبار ساتھ نہ لو — میرے توشہ کو میرے ہاتھ میں دو
اب تو میں گور بیچ جاؤں گا — یہ نہ ہو گا تو خاک کھاؤں گا
یہ وصیت ہی میری توکل پر — گاڑ دیجو مٹھائی کے پل پر
زندگی ہو جہان کے بارے — یہ مرے اپنی بھوک کے مارے

یا الٰہی فغاں کا غم کم ہو
یہ کہیں داخلِ جہنم ہو

ہجو آخوند صاحب

پختہ کاری میں ایک مرد عزیز
لیک رکھتا ہی خام فہم و تمیز

بلکہ تاثیر سم کی رکھتا ہی
دشمنی دم بدم کی رکھتا ہی

بھوک سے مارتا ہی عالم کو
ایک گندم نہ دیوے آدم کو

وائے جس گھر کا یہ بکاول ہو
صاحبِ اختیار ہو کل ہو

اس کو فاقہ کشی مبارک ہو
بندۂ سورۂ تبارک ہو

کون ہیں وہ میرے میانجی ہیں
انھیں جو کچھ کہوں سو بانجی ہیں

ہم میانجی کے جور سہتے ہیں
اب تلک طفلِ اشک بہتے ہیں

کوئی لختِ جگر جو آجاوے
میانجی چھین لیوے کھا جاوے

ہم سے نیزے سدا منگاتے ہیں
آپ نالِ قلم چباتے ہیں

نت سیاہی خراب ہوتی ہی
روز داڑھی خضاب ہوتی ہی

آپ روئے سیاہ رکھتے ہیں
میرے ذمہ گناہ رکھتے ہیں

دل کو دنیا سے سرد رکھتے ہیں
رو کو عالم سے زرد رکھتے ہیں

آپ سے جن کو گرم پاتے ہیں
وہاں میری آش کو پکاتے ہیں

آپ کا گھر ہوا پہاڑ کا گنج
وہاں نخود ہی عدس ہی اور برنج

جنس تو مفت ہاتھ لاگی ہی
نقد پایا سو وہ جما گی ہی

کچھ سلیقہ نہیں پکانے کا
ذائقہ کب رکھے ہی کھانے کا

جب کہ طراحیوں پہ آتے ہیں
میٹھے ٹکڑے پکا کے لاتے ہیں

میرے اکثر نفر جو بھوکے ہیں
سخت جھنجھلا رہے ہیں روکھے ہیں

کھول کر پیٹ کو دکھاتے ہیں
سامنے ہو کے یہ سناتے ہیں

کب تلک گھر میں کٹڑیاں جاویں | یا الٰہی یہ پکڑیاں جاویں

ان سوا اور جو ہیں خدمت گار | کہیں آپس میں مل کے سن بے یار

ایک ٹکڑا کسی کو کب بانٹے | یہ تو وہ ہی کہ تھوک کر چاٹے

وہ جواں ہیں غریب ہیں چپ ہیں | مرگ کے گو قریب ہیں چپ ہیں

انھیں کھانا بھوں سے یہ کم دیں | وہ اگر کچھ کہیں تو یہ دم دیں

جو کوئی اپنی بھوک کو مارے | سو کے ہلکا اٹھے میرے پیارے

بوجھ ہر گز رہے نہ چھاتی پر | جس کی گذران ہو چپاتی پر

میں جو آقا ہوں آپ کا شاگرد | کیا قیامت ہوئی ہوا شاگرد

کیوں مروں مفت بھوک کے مارے | کس مصیبت میں ہوں مرے پیارے

گھر میں اللہ کا دیا سب ہی
حکم خوردن نہیں ہی مکتب سے

ہجو لاغر

ایک تو مہرباں ہمارے ہیں | کیا کہوں قہر درد مارے ہیں

کیا کروں ان کی لاغری کا بیاں | دل تڑپتا ہی کانپتی ہی زباں

جن کا تعویذ ڈنڈرائی ہی | ہاتھ ان کا دیا سلائی ہی

اون کو مرے نے آن کر گھیرا | مال زادی کا پوچھتے ڈیرا

کئی کوسوں تلک نکل گئے وہ | غرض ہر طرح سے بہل گئے وہ

مال زادی ہوئی جو ہم آغوش | مارنے لاگی سر اوپر پاپوش

کہنے لاگے یہ کون سی ہی ادا | مجھ پہ تو ظلم کیوں کرے ہی سدا

ارے بی تجھ سے مجھ کو آدر ہی | تو ہی خواہر ہی تو ہی مادر ہی

جوتیاں سر پہ کیوں لگاتی ہی	تو اگر زور آزماتی ہی
اولاً آ کے مجھ سے پنجہ کر
بعد ازاں میرے سر کو گنجہ کر

ہجو میر معصوم

ایک ہیں آشنا میرے مجہول	خود نما بوالفضول و نامعقول
آپ کو سب سے خوب جانتے ہیں	کب وہ کہنا کسی کا مانتے ہیں
جس سے ملنا دماغ سے ملنا	کس کی تعظیم کا ہی کو ہلنا
یا کہ فرعون بد سرشت ہیں یہ	یا کہ شداد بے بہشت ہیں یہ
یا بھتیجے ہیں یہ اسد خاں کے	متبنیٰ ہیں خان دوراں کے
یا یہ شائستہ خاں کے پوتے ہیں	خان خاناں کے ہوتے سوتے ہیں
یا کہ نانی تھی ان کی نور جہاں	ان کا نانا تھا شیر افگن خاں
کون ہیں کیا بلا ہیں یہ کیا ہیں	کچھ نہیں ہیں غرض تماشا ہیں
ایک بھاٹی ہوئی سی شطرنجی	ایک لونڈی ہی گھر میں سو گنجی
تس پہ تکیہ کو رکھ کے لیٹے ہیں	آپ احسان خاں کے بیٹے ہیں
اب سنو ذکر جگ ہنسائی کا	میر صاحب کی کدخدائی کا
آپ اپنا بیاہ کرتے ہیں	خسر کا گھر تباہ کرتے ہیں
گرئے مشاطہ اون کو بلوا کر	شان شوکت انھوں کو دکھلا کر
کہتے ہیں میں بیاہ کرتا ہوں	لیک فاقوں سے سخت مرتا ہوں
کسی عمدہ کے گھر کی لا نسبت	گر ہو مفلس تو اس سے کیا نسبت
میں تو عاشق جہیز کا ہوں گا	مہر چاہو گے تو نہیں دوں گا

قصہ کوتاہ غرض بحال تباہ — ہوئے آمادہ جب برائے بیاہ

رنڈیاں راہ میں تو دیکھ برات — کہیں آپس میں مل سکے وہ ہیہات

وائے کس طرح کا یہ دولہا ہے — یہ موا ہاتھ سے تو لولا ہے

انگلیاں یہاں تلک ہیں زشت و کرخت — خشک ہوں جیسے شاخہائے درخت

کیونکہ دلہن کے تئیں اٹھاوے گا — دست سالم کہاں سے لاوے گا

سر کہاں ہے تلا ہے مانڈی کا — حلق جیسے گلا ہے ہانڈی کا

بھویں آپس میں اس طرح رلیاں — جس نمط لڑ رہی ہوں چھپکلیاں

چشم تو ہے برنگِ دیدۂ بوم — نہ دکھاوے خدا یہ صورتِ شوم

کان پھیلے ہیں جوں پرِ شپرک — ہے بنا گوش جوں سرِ شپرک

ناک تو اس طرح سے ہے اینٹھی — جیسے جوتے پہ مینڈکی بیٹھی

دیکھیو دیکھیو ذرہ یہ مونچھ — جیسے ٹانگن کے ہو لنڈوری پونچھ

منہ تو وہ ہے کہ جس میں دانت نہیں — پیٹ وہ ہے کہ جس میں آنت نہیں

سوچ کر لب اچھل پڑے ایسے — کانچ نکلے ہے .... سے جیسے

ناف کا چھید تو بغارا ہے — گویا لڑکوں کا غچی پارا ہے

چوتڑوں کا پڑا ہے ۔ ڈھال — جیسے مرجھا رہی ہو خشک کھال

..... کا کیا علوئے شان کہوں — تھوک دوں بلکہ پیکدان کہوں

پاؤں تو اس قدر پڑے بدرنگ — پائے طاؤس کو ہے جیسے ننگ

کفِ پا نے تلی کو توڑ دیا — جوتیوں نے قدم کو چھوڑ دیا

وائے رے وائے ہنسے بھین دیکھو — چال دیکھو ذرا ڈھلن دیکھو

توند تو اس طرح سے لٹکی ہے — گویا ساچق کی پھوٹی مٹکی ہے

ان سوا اور جو ہیں بازاری — یوں کہیں ہیں زراہِ غمخواری

نہ تو پیڑھی نہ چارپائی لی! نہ سلامی نہ رونمائی لی
کیا ملا ہی جہیز میں ...... ایک سسرے کا مقبرہ پایا
ساس کا کیونکہ وہ کرے نہ گلا اور تو کیا ہی بکر بھی نہ ملا
گھر میں میراسنیں یہ گاتی ہیں سمدھنوں کے تئیں سناتی ہیں
بوڑھی بنڑی کونک تو ڈھلنے دو ذرا نوشہ کو ٹونا لگنے دو

اے فغاں کب تلک کہوں احوال
کوئی معصوم سا نہیں چنڈال

ہجو شاہ عبدالرحمٰن الہ آبادی

لکھے شرح غم گر دلِ دردناک تو اپنی زباں کلک کرتی ہی چاک
میرے شعلۂ آہ پر کر نگاہ بہاتے ہی چشموں سے اشکِ سیاہ
نپٹ سخت ہی ماجرا درد کا دلِ سرد کا اور رُخ زرد کا
بیاں سے بجا ہی کہ خاموش ہوں کسی سے نہ یہ راز اپنا کہوں
ولیکن چھپانا اسے بے حجاب کہ یہ راز روشن ہی جوں آفتاب
سنو اے عزیزاں حکایت کے تئیں گرفتارِ غم کی روایت کے تئیں
جہاں میں میرا ایک دلدار تھا اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھ کو گلزار سے نہ واقف تھا ہر گز گل و خار سے
نہ سمجھوں تھا بلبل کی فریاد کو نہ جانوں تھا میں جورِ صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھ کو فرہاد بھی سنا تھا نہ میں قیسِ ناشاد بھی
اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا میں تو کاہے کو خاطر میں لاتا تھا میں
مجھے دردمندوں سے کیا کام تھا سدا وصل کے بیچ آرام تھا

جب اس یار پر دھیان کرتا تھا میں
تو یوسف کو قربان کرتا تھا میں

اسی کو میں کہتا تھا ہی ماہتاب
وہی تھا مرا انجمۂ آفتاب

میں پوجوں تھا انت اس صنم کے تئیں
نہ سجدہ کروں تھا حرم کے تئیں

وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا
غرض کچھ ہی تھا میرا اللہ تھا

میں کافر ہوں اس کی شکایت کروں
جو گذری ہی سو تو حکایت کروں

سدا سیر تھی مجھ کو گلزار کی
کہیں خوش طبع ہو میرے یار کی

اگر اتفاقاً وہ نازک مزاج
چلے تھا وہاں سے تو میں لاعلاج

یہ کہتا تھا رو رو ستم گار کو
نہ چھوڑ اس مزے میں تو گلزار کو

ارے دیکھ غنچہ کا دل باغ باغ
ارے دیکھ لالہ کے سینہ کا داغ

ارے دیکھ خوش چشم نرگس کا حال
کہ حیرت سے رہ گئی ہی آنکھیں نکال

ارے اے میری جان اس وقت میں
ارے تیرے قربان اس وقت میں

ترا ہنس کے کہنا میں گھر جاؤں گا
میرا رو کے کہنا میں مر جاؤں گا

یہی مجھ میں اس میں تھا راز و نیاز
کوئی اس میں محمود کوئی ایاز

فلک نے یکایک ستم یہ کیا
دل شاہ کو داغ حرماں دیا

نہ پہنچا کوئی وہاں میری داد کو
چلا تب تو میں مرشد آباد کو

سنو ماجرا عرصۂ راہ کا
اثر اڑ گیا یہاں میری آہ کا

کہاں سے کہاں چرخ لایا مجھے
عجب شہر بھونڈا دکھایا مجھے

یہ وہ شہر جس کو کہیں ہیں پراگ
میرا بس چلے آج دوں اس کو آگ

جہاں تک تری ہی وہاں سیل ہی
نظر آئی خشکی تو کھپریل ہی

لکھوں خاک نقشہ میں اس شہر کا
کہ یہ تو ہی بیت الخلا دہر کا

کروں وصف کیا وہاں کے بازار کی
نرالی ہی گرمی خریدار کی

اگر کوئی لے اپنی جنسِ گراں — یہ چاہے کہ بیچے بہ قیمت گراں
نہ لیویں جو قیمت کریں کم کریں — کوئی اور لیوے تو برہم کریں
ترازو پہ رکھ تول لیں لعل کو — غرض سنگ کے مول لیں لعل کو
خریدار جھٹ یہ جو دلال ہیں — سو وہ ایک ..... چنڈال ہیں
ہوئی یہ خطا گر خریدار سے — لیا ماہِ کنعاں کو بازار سے
کہیں کیوں لیا ایک دینار کو — کہ مہنگا ہی یوسف خریدار کو
لکھوں وضع گر مردمِ شہر کی — کم ہو جاوے حرمت ابھی دہر کی
عجب دہر ہی جس میں یہ شہر ہی — مصیبت ہی زنداں ہی قہر ہی
نکالے خدا اس بلا سے شتاب — نہ ہو گا جہنم میں اتنا عذاب
اگر ہو گا تو یار ہوں گے کئی — وہاں میرے غمخوار ہوں گے کئی
وہ پہنچیں گے آخر مرے درد کو — دکھاؤں گا اپنے رُخِ زرد کو
کہوں گا کہ میں عاشقِ زار ہوں — میری داد دینا گرفتار ہوں
یہاں کون پہنچے میری درد کو — دکھاؤں گا اپنے رُخِ زرد کو

یہ کچھ ہوں مجھے ان سے کیا کام ہی — رہے جس کو اس جا میں آرام ہی
مجھے اتفاقاً ہوا اتفاق — کہ آئے نظر یہاں کے اہلِ نفاق
یونہیں ہنستے ہنستے یہ آیا خیال — بھلا دیکھیے یہاں کے صاحب کمال
انھیں شاعری میں ہی کتنا شعور — کوئی ریختہ پڑھیے ان کے حضور
پڑھا ریختہ میں تو خاموش تھے — زباں سے انھیں کیا فقط گوش تھے
نہ از راہِ شوخی یہ حرکات ہی — میرے پیر صاحب کی وہ ذات ہی
اگر کوئی جا ان کو دشنام دے — کہیں تجھ کو اللہ آرام دے
کہیں آپ کو مرشدِ کائنات — تبرک ہی یہاں پیر صاحب کی ذات

سعید اہے قصاب میرا قدیم — میرے گھر کا نجّار حافظ حلیم
اسی کا تو شاگرد فرہاد ہے — کہ یہ تیشہ رانی میں استاد ہے
سنو جس کی پھوٹی گلستان ہے — وہ سعدی میرا بوڑھا دربان ہے
نظیری مجھے دیکھ خاموش ہو — اسے خانخاناں فراموش ہو
رکھے تھا اگرچہ وہ دستِ سخا — تو میں بھی تو رکھتا ہوں دستِ دعا
کئی شعر ہیں یاد استاد کے — تصدق ہوں میں آپ کی یاد کے
سو کہتے ہیں وہ میرے مضموں ہیں — تبھی اس فصاحت سے موزوں ہیں
اگر کوئی بولا کہ فرمائیے — نئے شعر کچھ اپنے پڑھ جائیے
تو اس مثنوی کو پڑھیں ہیں پکار — کہ تا شاہدی دیویں اہلِ جوار
"کریما بہ بخشائے بر حالِ ما — کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا"
کبھی کاٹ کا ایک مکّہ بنا — پھرے ہیں یہ پڑھتے ہوئے جابجا
الٰہی بہ اعزازِ آن پنج تن — کہ ہستند فخرِ زمین و زمن
جو ہندو سے ملتے ہیں وہاں رام ہیں — مسلمان کے شیخ الاسلام ہیں
جو ہندو کہے ذات بتلائیے — برہمن ہو کایت ہو فرمائیے

تو کہتے ہیں سنتا ہے اوتار ہوں
میں اگلے زمانہ کا سردار ہوں [1]

ہجو برادر

سنو مہرباں یہ میری عرض ہے — تمھیں گوش کرنا اسے فرض ہے
کہ میں سخت بیکس پریشان ہوں — کوئی دن کا یہاں تیرا مہمان ہوں

[1] پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کے نسخہ میں ہجو شاہ عبد الرحمان الہ آبادی کے ساتھ پانچ صفحوں کے حاشیہ پر شاید کوئی اور ہجو لکھی ہوئی ہے جو پڑھی نہیں جاتی۔

کہاں تو کہاں میں کہاں شہر یہ — کہاں باغ بیگم کہاں نہر یہ
کہاں چاندنی چوک و گنذرے کی سیر — کہاں ہی یہ کعبہ کہاں ہی وہ دیر
سناتا ہوا اپنی فریاد کو — چلا جاؤں گا مرشد اباد کو
میرے بعد جو ملک سے پائیو — بڑے بھائی ہو شوق سے کھائیو
ولیکن میراب تو حصہ نہ لو — خدا کی طرف دیکھ کر کچھ تو دو
کہ یہ ملک باغ فدک تو نہیں — پڑی ہے گی جھگڑے میں جس کی زمیں

میرے حق کو مت کر غصب میرزا
بھلا غاصبِ حق کو کہتے ہیں کیا

سرگذشت لشکر راجہ رام نرائن بہادر

کیونکر کٹیں گے یارب یہ بے شمار فاقہ — مجھ کو تو دوسرا ہی نفروں کو چار فاقہ
اعلیٰ سے تا بہ ادنیٰ جتنے ہیں گرسنہ ہیں — لشکر میں ہو گئے ہیں بے اعتبار فاقہ
کوئی اگر سپاہی سردار سے کہے ہی — لینا خبر شتابی مرتے ہیں یار فاقہ
کل سے نفر نے میرا گھوڑا نہیں ملا ہی — مقدور نہیں بشر کا کاٹے ہزار فاقہ
سن کر اسے یہ کہنا یکساں ہی حال سب کا — تیرا نفر ہی بھوکا میرے کہار فاقہ
ہیں فاقہ مست اکثر ان میں سو یوں کہیں ہیں — .... آج رنڈی توڑیں گے یار فاقہ
رنڈی کہے ہی میں تو بھوکی ہوں تین دن سے — ..... میرے منہ میں مجھ کو نہ مار فاقہ
دیوان کے تو در پر دربان یوں کہیں ہیں — کیا لکڑیوں کو کھاویں ہیں چوبدار فاقہ
دیواں کہے ہی سچ ہی کیا کھاویں یہ بیچارے — ان کا تو عرض بیگی ہی کون تغار فاقہ
اقبال کے نشاں کو ادبار لے گیا ہی — چٹ کر گئے پھریرے ہیں باندار فاقہ

پہنچا ہی یہاں تلک تو احوال اصطبل کا
غازی کی... پھائی چابک سوار فاقہ

ہاتھی کی... میں بیٹھے ہیں شیخ بھینا
ہو لے کا کون اس کو ہی فوجدار فاقہ

کہتا ہی ساربان تو میں شتر کو لادوں
ہوں ایک دو بلا سے ساری قطار فاقہ

شاہ و گدا کی حالت یکساں ہی میرے صاحب
تنخواہ دار بھوکے روزینہ دار فاقہ

مرغ چمن کو اب تو ملتا نہیں زرِ گل
بلبل نے اس چمن میں کاٹے ہزار فاقہ

بندے سبھی خدا کے کہتے پھرے ہیں الجوع
القصہ کیا کہوں میں سارا دیار فاقہ

ہجو بسنت خاں

نہ عشق صفاتی ہوا تحقیق نہ ذاتی
غفلت میں مری عمر بکٹ رو چلی جاتی

کہنا سخنِ چند جو رکھتے ہوں فصاحت
نت طبع مری تشنگی لفظ پر آتی

آگہ ہی زباں نعت سے یا مدح سے واقف
دم پر تبھی آتی ہی جو اینڈا کہیں پاتی

ہوں تیغ صفت دستِ جواں مرد کے لائق
نامرد کے ہاتھوں کو میری آب کٹاتی

کیوں کر نہ کروں چرخ ستم گار کا شکوہ
عیقل سے مٹے ہی یہ میرا جو ہرِ ذاتی

ناگاہ مصیبت میں گرفتار ہوا میں
یہ مجھ کو اذیت میری تقدیر دکھاتی

ورنہ میں کہاں اور یہ گھر خواجہ سرا کا
اس در پہ مجھے گردشِ افلاک ہی لاتی

آیا تو ہوئی یہاں مجھے فاقہ سے ملاقات
ہر روز یہ ہی گرسنگی ضعف بڑھاتی

ہوں جائے ترحم میری اوقات کو دیکھو
پھٹتی ہی میرے درد سے یہاں سنگ کی چھاتی

کہتا ہوں بکاول کو کبھی لقمۂ تر دے
کس طرح سے کھاؤں مجھے روٹی نہیں بھاتی

کہتا ہی کہ خشکا نہیں خشکا جو پکاؤں
بھوکے رہو..... سے یہی چارچپاتی

بس ہے یہ ستم ہی کہ نہ قلیہ کا پیالہ
وہ چارچپاتی کئی دن سے نہیں آتی

ہر صبح کو میرا ملاجاتا ہے کلیجا — انتڑی بھی مجھے سورۂ اخلاص پڑھاتی
بارے کئی دن تک میری اوقات کٹی یوں — پھر طبع کی جودت مجھے مضمون سوجھاتی
یعنی کہ بیاں کیجیے اوصاف میاں کا — مشہور ہو تو آپ کی بہ خوبی ذاتی
بد خلق یہاں تک کہ ہمیشہ ہی متنفص — چرچہ پہ کبھی طبع مبارک اگر آتی
کہتا ہے کہ نیبنی کے تئیں جلد بلانا — پنّا کو بھی لے آویں کہ وہ ساتھ ہی گاتی
دوڑے جو نقیب اس کے تئیں کھینچ کے لائے — آئی تو لگی ناچنے اور بھاؤ بتاتی
دھوکے میں کہ شاید میاں فیضو بھی ہوویں — کھل کھل اسے ہر طرح سے آنکھوں میں ملاتی
القصہ دل اس کے کو یہاں تک تو لبھایا — کہنے لگا چل سوئیے اب نیند ہے آتی
انگڑائیاں لیتا ہوا جا سیج پہ لیٹا — اتنے میں یہ جا پہنچی وہاں نیند کی ماتی
بستر پہ لٹا کر جو ہیں ٹانگوں کو اٹھایا — . . . .
اس صاف ہتھیلی کا قیامت ہے تڑاقا — چپٹی کی صدا گور کے مُردوں کو جگاتی

. . . . — . . . .
زنڈی لگی کہنے میں اگر جانتی ایسا — . . . .
مشغول تھے اس میں کہ وہ ہیں آن کے مچلے — بولا کہ چلو قبلۂ عالم ہے بولاتی
فرمایا کہ جلدی کریں تیار سواری — ہے ہے یہ مجھے ڈومنی کیا ناچ نچاتی
بارے چلے دربار کو وہ شان بنا کر — حاضر ہوئے سرکار کے سنگھی و سنگھاتی
از بسکہ میاں تو میرا ایک رنگ نہیں ہے — چیرا جو بسنتی ہے تو جامہ ہے بناتی
کنبے کا نویلا ہے وہ اماں کا پیارا — نت دیکھ سواری بڑی بی بی یہ سناتی
تو جیوے سلامت رہے دنیا میں بلا لوں — یہ زرد عماری تیری مکنا تیرا ہاتھی
گھر میں تو بڑی بی بی کی شادی ہے ہمیشہ — وہ کون سا دن جو نہیں پیروں کو مناتی
اے پیر ہٹیلے میں تیری ہٹ کے تصدق — بلوا کے ڈفالی کو یہ سہلی تھی گواتی

در بان پکارا کہ گرد ڑا ہوا کلو
بندی تو اسے قبلہ عالم ہی بندھاتی

جوں ہی یہ خبر آئی تو سر پیٹتی ووں ہی
کرتے کو اٹھا راجہ...... چلی آتی

پہنچی تھی وہ در تک کہ خبردار سے پوچھے
کشمیرنی ڈیوڑھی کے اوپر دھوم مچاتی

کیا پوچھتی ہی جا بڑی بی مان خدا کو
یہ خول تیرے پیٹ پچا کا ہی گراتی

دربار سے روشن ابھی آیا ہی بلالوں
دیوان کے فرد وقایع پڑھی جاتی

یعنی میاں صاحب سے زر قسط ہی منظور
خلعت ہی اسے بو بوالہ بیگہ پہناتی

ملتی ہی اگر کوئی محلہ کی رزالی!
یہ درد دل اپنا اسے رو رو کے سناتی

جس مرد کو دیکھا سو پریشان نظر آیا
دولت تو بجز...... کٹائے نہیں آتی

کہنا جو مجھے خوجہ گر اس وقت میں ملتا
پہلے میاں یعقوب کے لولو کو کٹاتی

ضد قبلہ عالم کی خدا جانئے کیا ہی
ناظر سے بھڑاتی ہی بہادر سے لڑاتی

حضرت جو کبھی منع نہ کرتے تو یہ بی بی
چپٹی کی سلائی کو بھی آنکھوں میں پھراتی

قطعہ در ہجو عمو

جس روز کہ دہلی سے فغاں میں ادھر آیا
حیرت میں ہوں اب تک کہ الہٰی کدھر آیا!

آئی جو نظر حضرت حاجی کی حویلی!
وہاں دیکھتا ہوں کیا کہ چچا جی کا گھر آیا!

چاہا کہ ذرا بیٹھیے ٹک دیکھیے ان کو
لوگوں نے وہیں آن کے یکبار ڈرایا

یہ وہ ہی سقیفہ کہ بنی سعد بھی اس کو
کہتا ہی الہٰی کہ میرا گھر کدھر آیا!

قطعہ در ہجو کاتب

یہ جو میرا ہی راقم دیواں! | تحفہ نسخے کا بھولا بھالا ہی
کچھ نہ سیکھا غلط نویسی بن | ہوش جس روز سے سنبھالا ہی
ہائے ہنوز سے وہ لکھے ہی حنا | آپ کا رسم خط نرالا ہی
قاتل طبع زاد ہی ظالم! | میں نے دشمن بغل میں پالا ہی
زندگی ہی میری سخن جس کو | سہو کاتب نے مار ڈالا ہی

ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں مخاطب بخطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان [۱]

---

[۱] پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ کے آخر میں "راقمہ سلطان علی" لکھا ہوا ہی

فارسی کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پسند خاطرم آمد ازیں دنیا و ما فیہا
ادائے خندۂ ساغر صدائے گریۂ مینا
صنم جویاں زہے کوشش زہے جوشش زہے مستی
مسلماناں زہے ایماں زہے طالب زہے تقویٰ
چہا از درد می نالی چہا از رنج می رنجی
بدر دت می رسد یارت فغاں امروز یا فردا

قطعہ

بکوئے خود اے مہ نگہدار مارا
خدارا خدارا خدارا خدارا
بسویم گذر کن بحالم نظر کن
نگارا نگارا نگارا نگارا
چہ تقصیر کردم چہا گفتہ ام من
شمارا شمارا شمارا شمارا
مرا کے گذاری اگر میگذاری
جفارا جفارا جفارا جفارا

قطعہ

ہماں منم کہ ہم آغوش کردۂ تو مرا
چہ کردہ ام کہ فراموش کردۂ تو مرا
قبائے سرمئی اے نور دیدہ می پوشی
بایں لباس سیہ پوش کردۂ تو مرا
اگر بپائے تو دستم رسد مضائقہ نیست
معاف دار کہ بے ہوش کردۂ تو مرا
گذشتم از سر شکوہ تو بگذر از دشنام
خموش باش کہ خاموش کردۂ تو مرا

قطعہ

بسکہ از عریاں تنی شادیم ما
از تکلف سخت آزادیم ما

خط نخواند از حال ما آگہ نشد | کاش دل را می فرستادیم ما
از تو آباد است اے غم خانہ ام | خانہ ات آباد آبادیم ما

قطعہ

گشت روشن زد را زی شب تارمرا | می کشد تا بہ صحرایں دل بیمارمرا
بت پرستی نرود از سر من تا دم مرگ | رگ جاں گشت مگر رشتۂ زنارمرا

قطعہ

چشم بیمار تو مجروح چناں کردولم | کہ عیادت نکنند باز پرستارمرا
بادشاہ اند گدایان معتقیم کویش | تاج سر گشت ہمیں سایۂ دیوارمرا
یوسفے بود دلم لیک بدستش دادم | بس عزیز است فغاں خاطر دلدارمرا

رباعی

شب کوئے یار رفتم بوسیدم آستاں را | من در بلا فگندم بیجاں پاسباں را
بار دگر نخواہد گردید چاک جیبش | ناصح بیار فوکن من گفتہ ام فغاں را

اشک اگر نبود شب ہجرت گریباں گیرما | خلق را بیدار سازد نالۂ شبگیر ما

بے رنبہ می شود جگر پارہ پارہ ام | از یک دگر جدا مکن ایں لخت لخت را

رباعی

خاموش[1] می شود جگر داغ داغ ما — دامن مزن نسیم سحر بر چراغ ما
از چشم روزگار فتادیم و گم شدیم — جز طفل اشک کیست که گیرد سراغ ما

قطعه

به مهر نیست غرض نامهٔ مرا قاصد — که بر عقیق لبش کنده اند نام مرا

قطعه

از دست داد گرمی بازار خویش را — یوسف چها نداد خریدار خویش را
جان دادم و تو بهر عیادت نیامدی — آزرده ساختی دل بیمار خویش را
چشم فغان سفید شد از انتظار یار — ناچار بست دیدهٔ خونبار خویش را

قطعه

از عشق تو خون گشت دل نوحه گر ما — ای بی خبر ما نگرفتی خبر ما
این کشتهٔ نازت گله از تیغ ندارد — در شکر تو وا شد لب زخم جگر ما
صیاد ز انصاف بعید است که از دام — آزاد شود طائر بی بال و پر ما

بی گنه آن نگار کشت مرا — من چه کردم که یار کشت مرا

---

[1] پنجاب یونیورسٹی نسخہ "افسردہ می شود"

قاصد از کوے او نمی آید — دل امید وار کشت مرا

کاشکی در وصل خاک می گشتم — ہجر در انتظار کشت مرا

در بزم شعر ورسید فغاں — گرم جوشی یار کشت مرا

تا قیامت تر بماند دیدۂ نمناک ما — بعد مردن گل بر آید گر بکاوی خاک ما

اسباب ہستیٔ ما ناچار کرد ما را — ناحق ز خواب راحت بیدار کرد ما را

قطعہ

آخر اے آہ دریں غم کدہ یکبار بیا — دم صبح نیائی بشب تار بیا

دست بگذار بدل بر سر بالیں بنشیں! — جان من بہر پرستاری بیمار بیا

اے زلیخا گریہ کمتر کن بہنگام وصال — می شناسد اشک نور دیدۂ یعقوب را

قطعہ

مالیدہ ام بچشم خود آں خاکپائے را — بوسیدہ ام فغاں در دولت سرائے را

حاجی غلاف کعبہ عوض گر کند بجاست — کردی دراز دامن عصمت فزائے را

در حشر از محاسبۂ عشق فارغم! — بخشیدہ ام بقاتل خود خونبہائے را

تیغ نگاہ را برقیبم سپردۂ — دادی ز دست ناخن مشکل کشائے را

دشنام را تو در حق عاشق روا مدار — کس حرف تند و تلخ نگوید گدائے را

قطعہ

عاشق بباغ یا بہ بیاباں نشستہ است — دل را ز دست دادہ و حیراں نشستہ است
جائے نرفتہ است دلم غیر زلف یار — جمع است خاطرم کہ پریشاں نشستہ است
تارے ازاں نماند کہ زخمش رفو شود — دیوانہ ام بفکر گریباں نشستہ است
خنداں چہ میشوی خبر مبتلا بگیر — امشب فغاں بہ بزم تو گریاں نشستہ است

ابروے او کہ قبلۂ دلہائے پرغم است — بہر شہید عشق ہلال محرم است
جاناں بیا و بر سر بالیں من نشیں — آں واپسیں دمے کہ شماری ہمیں دم است
لب بستہ ام ز شکوۂ آں شعلہ رو فغاں — بہر جراحت دلم ایں آہ مرہم است

رباعی

چوں نہ نالم طاقت صبر و قرار از دست رفت — تا کہ یار آید دل امیدوار از دست رفت
خاک کوئے یار در چشمم بجائے سرمہ بود — از ہجوم گریہ ایں مشت غبار از دست رفت

قطعہ

از ہستی ما قافلۂ عمر رواں است — آگاہ نیم منزل مقصود چہ ساں است
در خواب عدم دل ہوس لالہ و گل داشت — تا چشم کشودیم دریں باغ خزاں است
عمریست کہ از سینۂ من رفت و خبر نیست — باشد دل من پیش تو ایں نیز گماں است
نے قامت او بر سرم آورد قیامت — زلف سیہ یار بلائے دل و جان است
از گرسنگی ہیچ نپرسی کہ دریں شہر — ہر روز مرا غرۂ ماہ رمضان است

مرغان چمن بر سرم از درد بنالید   آگاه نمائید که ایں خاک فغان است

رباعی

گر دل بگرفت بے نیاز است   در طالب جاں شو و نیاز است
روزانہ بنی کنیسم فریاد   آخر شب عاشقاں دراز است

رباعی

از یں چہ شد کہ موافق بدشمناں نست   بت منست کہ روح منست و جان منست
ہمیشہ بر سر تیر آمدے دمیر ندے   گے نہ لطف نہ گفتے کہ ایں فغاں منست

از فغانش بچمن خواب نیا مد مارا   نہ پرید و اکسو مرغ گرفتارے ہست

قطعہ

دفا برائے رقیباں جفا برائے منست   چہ ابروے تو عاشق شدم سزائے منست
بسوئے کعبہ روم یا بسوئے دیر روم   بہر طرف کہ روم خانہ خدائے منست

در خواب چو دیدم گرہ زلف تو باز است   تعبیر ہمیں است کہ عمر تو دراز است

اکنوں گلہ ز ابروے و مژگاں مکن فغاں   خوں از دلت بر آمد و تیر از کماں گذشت

سجدہ گاہ عشق جائے دیگر است   آں بت سرکش خدائے دیگر است

دیگراں از پا[1] و من بسر　　خانہ اش دولت سرائے دیگر است
عجز باید مبر زائے درکنار　　مبر زایم مبر زائے دیگر است
اے فغاں آں دلبر بیگانہ خو　　چوں نہ نالم آشنائے دیگر است

موج دریا انقلابے بیش نیست　　زندگی ما حبابے بیش نیست
ایں طلسماتے کہ می بینیم ما　　چشم چوں بستیم خوابے بیش نیست
عاشق و معشوق بیگانہ نیند　　درمیاں حائل حجابے بیش نیست
دل ہمیں یک قطرۂ خوں است و بس　　از جگر پرسی کبابے بیش نیست
خاطر عشاق را تسکین کجا　　در دل ما اضطرابے بیش نیست
بر زبان ما سوال بوسہ است　　در دہان او جوابے بیش نیست
ایں چنیں دردے کہ میدارد فغاں　　گر کنی رحمے ثوابے بیش نیست

عرض کردم کہ بعشقت چہ قدر خوار شدم　　سوئے من دید و بفرمود فغاں ایں ہمہ نیست

شد شدم را جدا گر دی و جانے ماندہ است　　ہمچو نے در استخواں من فغانے ماندہ است
چشم من از گریہ بس کن جانب پیکاں ببیں　　قطرۂ خوں از برائے میہمانے ماندہ است

نے بوئے گل ہمیں بدماغم رسیدہ است　　فریاد زد جگر کہ بداغم رسیدہ است
روشن شدہ است دیدۂ خونبار من فغاں　　روغن ز چشم دل بچراغم رسیدہ است

---

[1] دونوں نسخوں میں پڑھا نہیں جاتا

درمیان یار و ما حائل حجاب افتاده است مدتے شد کار و بار دل خراب افتاده است

گر نمی خواہی درون خانہ گاہے جلوہ دہ بر درت آخر کسے خانہ خراب افتاده است

چشم روشن شد کہ روئے یار را شب دیده است دل نمی دانم چرا در اضطراب افتاده است

از نظر انداخت تو زدیده اش دیدیم ما گوہر اشک فغاں بے آب و تاب افتاده است

آں گل ز بزم وقت سحر ہمچو صبا رفت من نام خدا گفتم و او نام خدا رفت

ایں ساکن ملک عدم از پرده ہستی ناخوانده چرا آمد و ناگفتہ چرا رفت

امروز بہ بزم تو نہ دیدیم فغاں را شاید ز سر کوئے تو آں بے سر و پا رفت

دلم بآتش شوق تو مائل افتاد است اگر مدد نکند اشک مشکل افتاد است

بہر دیار کہ رفتم نشاں دل پیداست کہ خوں صید تو منزل بمنزل افتاد است

نظر بلوح مزارم نمی کنی ظالم ہزار حیف کہ ایں نقش باطل افتاد است

صدائے نالہ بلند است از در و دیوار ز طاق ابروے او شیشۂ دل افتاد است

ز چشمہائے ستمگر فغاں رہائی نیست دل غریب بدست دو قاتل افتاد است

دیدۂ ما ز اشک سیراب است چشم بد دور عالم آب است

اے جنوں در دشت ما را چشم آہوئے بس است گر تو راہبر می شوی دیوانہ را ہوی بس است

کردم دل را بلاکش خود نثار دوست جاں ہم خدا کند کہ بیاید بکار دوست

از بدگمانی دل خود اے فغاں مرا نے اعتماد دشمن و نے اعتبار دوست

بدست نامه بر ما پیام گفت و نگفت — اشاره کرد به ابرو و سلام گفت و نگفت

دل چو بگداخته شد ز آتش غم مینا گشت — اشک چون رفت ز چشم تر من صهبا گشت

داغ در سینه یادگار کسے است — گل پژمردهٔ بهار کسے است

قطعه

تند بگذر ز کوئے یار نسیم — چشم ما فرش رہگذار کسے است
تو که بر باد می دہی ما را — آخر این خاک ہم غبار کسے است
ناصحا دست از فغاں بردار — دادن دل باختیار کسے است

بت نا آشنا کے خانه ام را خانه می داند — دلم را می برد لیکن مرا بیگانه میداند
فغاں ذات علی را جز خدا دیگر که می فہمد — متاع خانه را البته صاحب خانه می داند

خرام تو به عنوان تو باشد — غزالے ما نگہبان تو باشد

ناقه ہر گه قدم خویش بجا گم آرد — روح مجنون تو گرد سر محمل برود
اے فغاں صبر بفرما ز طپیدن باز آ — که مبادا ز کفت دامن قاتل برود

درد دل زخم جگر می داند — گریه ام دیدهٔ تر می داند
آنچه از فرقت تو بر من بگذشت — دست من داند و سر می داند

دل طاقت ایں بیاں ندارد   درد دے دارد زباں ندارد

گریاں مرا گذارد و خندیده می رود   رحمے نمی کند که چه از دیده می رود

بندهٔ زلف تو گشتند پریشانے چند   حیف در کفر فتادند مسلمانے چند
گشت تنہائیٔ زنداں تو صیاد مرا   کاشکی در دام تو افتند اسیرانے چند
خون رواں است ز زخم جگرم آه ہنوز   یار بے فائده افشاند نمکدانے چند
اے فغاں شکر نیم بر سر کویش تنہا   ہم چو من خاک نشین اند غریبانے چند

چه می پرسی مرا از دیدهٔ گریاں چه می آید   بغیر از لخت دل در گوشهٔ داماں چه می آید

زخم دل کے به زمرہم می شود!   ایں زیارت گاه عالم می شود

ہرگز نرفت از سر کوئے تو جان من   مرغ دلم بخاک چو بسمل طپیده ماند
دستے که یار دامن خود را کشید رفت   آن دم فغاں چه گرد گریاں دریده ماند

بسا به بیں چه قدر چشم تر مروت کرد   چناں گریست که آخر غریق رحمت کرد
بپائے سرو چو قمری نگاه کرد مرا   رسید نعره زناں بر سرم قیامت کرد
چه کرده است که تشہیر گشته است فغاں   عبث عبث بت بے رحم مفت تہمت کرد

بیولائے ما نظر ہرگز بحال ما نکرد!   خویش را انداخت در خواب خیال ما نکرد

ہماں معشوق بہتر ہر کہ فارغ از حیا باشد — چہ حاصل مست را گر دختر زر پارسا باشد

چہ عجب عاشق اگر نالہ د فریاد کند — لیک داد از دل معشوق کہ بیداد کند

آخر آں شوخ دستم گار بما یار نشد — خوب شد الفت دل کم شد و بسیار نشد

دوشش دیدم کہ ز بالین فغاں یار گذشت — حیف کیں خستۂ غفلت زدہ بیدار نشد

رحمے بر آں غریبے کہ بہ ہجر مردہ باشد — بت بے وفائے خود را بخدا سپردہ باشد
گفتم فغاں بکویت قرباں نمود جاں را — کردند روے خود را گفتا کہ مردہ باشد

اے طبیب دل بیمار تغافل تا کے — آخر ایں درد جگر سوز علاجے دارد

فغاں لخت دلم از اشک چشم خونفشاں گم شد — نمی آید صدا شاید جرس زیں کارواں گم شد
تو بودی یا کہ من بودم تو دزدی یا کہ من دزدم — کجا جویم کرا پرسم دل من از میاں گم شد

علاج درد الفت غیر ترک جاں نمی باشد — چہ می نالی دلا خود کردہ کا درماں نمی باشد

نامۂ اعمال من فردا چو پیدا می شود — عاقبت ایں روسیاہی ہا ہویدا می شود

گلگوں قبلۂ ما بگلستاں گر رسید — ما را ز سینہ چاکی گلہا خبر رسید!

نازے بران که تیغ تو جوهر نمود کرد — شادم ازیں که خون دلم تا کمر رسید
قرباں شوم بناوک مژگاں چه لذت است — می خواستم نشانه شود دل جگر رسید
ایں زخمی نگاه تو صحت پذیر نیست — یک زخم به گشته و زخم دگر رسید
حاصل ازیں که حبس بدل ما خراب شد — اور انگشت فائده ما را ضرر رسید
امشب صدائے ناله بگوشم نمی رسد — دست فغاں بدامن قاتل مگر رسید

از نامه برم کے خبرے داشته باشد — کو مرغ دلم بال و پرے داشته باشد
مردود صنم خانه و ملعون جهاں است — جز دیده گه تو هر که درے داشته باشد
از اشک بگیرید سراغ دل ما را — کیں قافله شاید خبرے داشته باشد

دفتر آتش عشقیم چه می باید کرد! — محضر آتش عشقیم چه می باید کرد
یا بسوزید مرا یا بسپارید بخاک — اخگر آتش عشقیم چه می باید کرد
خواه پروانه بگو خواه سمندر فرما — طائر آتش عشقیم چه می باید کرد
داغهائے دل ما صورت اخگر دارد — مجمر آتش عشقیم چه می باید کرد
سوزش عشق فغاں در خط تقدیرم بود — دفتر آتش عشقیم چه می باید کرد

قاتل من تنیده است روز جزا البسر ببید — دامن خود ز دست من خواه نخواه می کشد

یار من رو برو نمی آید! — پیش آئینه او نمی آید

کشتی مراد بار دگر وا نمی کنی — اے خانماں خراب میانت که لبته بود

در دل خانہ با ہر کس کہ او گرم سخن باشد
بہ آوازش ہا ہم گوشے کہ شاید حرف من باشد

سخنے ہمچو من قابل تکرار نہ بود
کم شنیدی تو چرا ایں ہمہ بسیار نہ بود
یار آں شب کہ فغاں از سر بالینم رفت
چکنم بخت من سوختہ بیدار نہ بود

وصل قاتل شد میسر داغ ہجر از دل نہ رفت
زخم گر بہ می شود لیکن نشاں کے می رود

کجا بختے کہ قاصد مژدہ از کوئے یار آرد
نمی دانم چہا بر دیدہ آخر انتظار آرد

گو مبند کہ دامان تو از دست فغاں رفت
شاید بہ اجل دست و گریباں شدہ باشد

پرسش حال دلم آں ستم ایجاد نہ کرد
جور را کرد فراموش کہ مرا یاد نہ کرد
داد نالیدن دل آں بت بے رحم نداد
رو بگرداند نہ ما گوش بفریاد نہ کرد
بہ تمنائے وصالش ہمہ عمرم بگذشت
غم دل دور نہ شد خاطر من شاد نکرد
بندۂ ضبط فغانم کہ بایں درد جگر
نالہ ہر چند بلب آمد و فریاد نہ کرد

مے و میخانہ سلامت باشد
ساقی ایں خانہ سلامت باشد
سنگ و طفلاں بجہاں بسیار اند
سر دیوانہ سلامت باشد
چوں گدا بر در او گفت فغاں
صاحب خانہ سلامت باشد

دل نمی دانم چرا مشتاق پیکاں می شود
بہ کمان ابروے خود ایں صید قرباں می شود

گر ضیافت می کنی غول بهر او پیدا مکن — ای جگر فکر خدنگ یار مهمان می شود
گر زر دیش یافت جمعیت دلم لیکن چه سود — حال من از زلف او آخر پریشان می شود
دیگران دل می دهند ای شوخ این جان می دهد — گر قبول افتد فغان ممنون احسان می شود

خانه بی یار خوش نمی آید — در و دیوار خوش نمی آید
شب چو فریاد من شنید و بگفت — آه بیمار خوش نمی آید
بی وفائی است شیوهٔ محبوب — وعدهٔ یار خوش نمی آید
ای فغان چاک کن گریبان را — دست بیکار خوش نمی آید

در سینه کجا قرار دارد — با ما دل ما چه کار دارد
دامن مکش از سر مزارم — با خاک کسی غبار دارد
تشبیه مده بشمع دل را — کین شعله بسی شرار دارد
احوال فغان ز ما مپرسید — بیچاره دل فگار دارد

غیر از دو چشم پرنم جای دگر ندارد — میلی گزک مفرما عاشق جگر ندارد
در گوشهٔ دل من جانان مکن مقامی — کین خانهٔ شکسته دربان و در ندارد

بدست تست کجا رفت پیش ما که نباشد — تو از کجا نه نداری دل از کجا که نباشد

داغ عشقت نهان نمی ماند — آخر این گل شگفته خواهد شد

خم زلفش کمند خواهد شد — دل دیوانه بند خواهد شد
آتش دل نهان نمی گردد — دود آخر بلند خواهد شد
من به طفلی شناختم خود را — کین پسر دردمند خواهد شد
پیش مردم نماند قدر سرشک — گریه ام زهر خند خواهد شد

از صبا بوی او نمی آید — شاید از کوی او نمی آید
کشتهٔ تیغ حیرتم که بوصل — در نظر روی او نمی آید

این که گویند یار می آید — کی مرا اعتبار می آید
چون نظر می کنم به خندهٔ خویش — گریه بی اختیار می آید
سر زخم جگر سلامت باد — داغ کی در شمار می آید
یا علی مشکل فغان بکشا — بر درت بار بار می آید

مردم دنیا نمی گردند غمخوار فقیر — جز خدا دیگر که باشد یاور و یار فقیر
عارف سالک نه بند کفر و دین فارغ نشست — رشتهٔ تسبیح می گردید زنار فقیر

بیهوده مگو لب مکشا ضبط نفس کن — دود دل ریش است فغان آه نگهدار

شیوهٔ لطف و کرم یار ز عنوان تو دور — رحم بر گریهٔ ما از لب خندان تو دور

بلی کشتۂ تیغ تو نگیرد آرام — نام آسودگی از خاک شہیدان تو دور
دانشد مرغ دلم در قفس سینۂ من — طاقت بال فشانی ز اسیران تو دور
چوں بکف آورمے شوخ گریبان ترا — دست کوتاہ من از گوشۂ دامان تو دور
بوسہ کے مرہم داغ دل افگار شدہ — سوزش زخم دل من ز نمکدان تو دور
ہمہ ہا بدر تو غیر فغاں موجود اند — ہست آں غمزدہ از خیل غلامان تو دور

دل کجا رفتہ است حیرانم — من بجائے رسیدہ ام کہ مپرس

ہر گہ گرہ باز گردد بند قبا بہ نازش — گل چاک پیرہن را دل کند نیازش

زلف تو بلائے جان عاشق — افسوس برائے جان عاشق
لعل تو حیات جاودان است — چشم تو شفائے جان عاشق
بر خاک فغاں گذر نگردی — ایں بود سزائے جان عاشق

دور است از رسم جہاں لیل و نہار عاشقاں — صبح وصالش در عدم شام غریباں در بغل

دارم خدنگ ناز کسے در کنار دل — ہم یادگار سینۂ دہم یادگار دل

چرا بفکر دل بیقرار خود باشم — کہ او بکار خود و من بکار خود باشم
نہ گل فشاند بخاکم نہ کس چراغ افروخت — دلے بسوزم و شمع مزار خود باشم
نماند طاقت جسمم کہ بار ہستی را — بدوش گیرم و تا چند بار خود باشم

زبسکه محرم درد دلم نماند فغان — انیس خود شوم و راز دار خود باشم

دامن ز دست این دل بسمل نمی دهیم — من خون بهائے خویش بقاتل نمی دهیم
ما

خوش آن زمان که هم آغوش یار خود گردم — ز فیض آئینه رویان دوچار خود گردم
بخاک من اگر آن شوخ سنگ دل آید — چو گرد باد فغان گرد یار خود گردم

بعد عمرے بوسهٔ زان لعل خندان یافتم — زخم دل چشم تو روشن شد نمکدان یافتم

گوئی که نمی گریم من سخت دلے دارم — من چون نشوم گریان بدبخت دلے دارم

چو خواهم اینکه برائے تو جان نثار کنم — حجاب مانع من می شود چه کار کنم

دلم بشهر نه وا می شود نه در صحرا — کجا روم تو بگو آه اے فغان چه کنم

کو طاقتے که دست و گریبان او شوم — سر افگنم به پایش و قربان او شوم

نخواهم گفت حرفے از درد دلبجار می ترسم — اگر اندک دلم را می شود بسیار می ترسم

پیش ازین هیچ به دنیا نبود تعزیرم — مدعی خوش بجهان باشد و من دلگیرم
بعد من خاطر اطفال گرا منظور است — بسر لوح مزارم که کشد تقدیرم

دست این پیر بگیری که تو هم پیر شوی ‌ ‌ تو جوانی و من اے شوخ قیامت پیرم

چون شمع بعشق تو از خویش فراموشم ‌ ‌ می خندم و میگریم می سوزم و خاموشم
کو ساقی و کو صهبا کو ساغر و کو مینا ‌ ‌ من هیچ نمی دانم مخمورم و مدهوشم
آزادم و بے باکم من هیچ نیم خاکم ‌ ‌ این جامهٔ عریانی افگنده که بر دوشم

یاد ایامے که در کویش گذارے داشتم ‌ ‌ بهر چشم دشمنان منت غبارے داشتم
بعد مردن جان من گر بگذری بر خاک من ‌ ‌ یاد خواهی کرد من هم خاکسارے داشتم
عکس روے او بچشم و زلف او در دست بود ‌ ‌ پیش ازین من هم فغان بلبل و بهارے داشتم

هیچ کس مجرم نباشد در سر و کار دلم ‌ ‌ دل گنهگار منست و من گنهگار دلم
این چنین جنسے من از بهر تو ارزان کرده ام ‌ ‌ می فروشم جان اگر باشی خریدار دلم
ناوک مژگان چرا خدمت گزین دل شود ‌ ‌ یک ملازم هم نمی باید بسر کار دلم

در بند قبا این دل دیوانه نباشد ‌ ‌ عریان شوم و تار گریبان بتو بخشم
خونابه که از دیدهٔ نمناک روان است ‌ ‌ گر پاک کنی گوشهٔ دامان بتو بخشم

نمی گویم که من گرد سرش بسیار گردیدم ‌ ‌ دل خود را بدستش دادم و یکبار گردیدم
چه می رانی مرا از درگه خود اے طبیب دل ‌ ‌ بامید شفاے آمدم بیمار گردیدم

چه شد گر در حریمت جانب اغیار میدیدم ‌ ‌ به این کم فرصتی روے ترا بسیار می دیدم

ماه در قریه نماندست بہجر تو مرا   خدا را که چه حالت است[1]

مپرس حال دل من که سخت بیمارم   برو طبیب بدردے عجب گرفتارم

چو گرد کعبه ہندو شد مسلماں گشت   چو کفر از کعبه برخیزد کجا ماند مسلمانی

نه من پابند یک معشوق ہستم بسکه آزادم   گہے در دشت مجنونم گہے در کوه فرہادم

تا از در دوست ما جدائیم   با ناله و آه آشنائیم
اے ہم نفساں زما مرنجید   مہماں دو روزه شمائیم
مارا مفگن ز کوئے خود دور   رحمے رحمے شکسته پائیم
شاہاں ہمه بندهٔ گدائیند   صد شکر فغاں که ما گدائیم

گردش چشم یار را دیدم   طرفه لیل و نہار را دیدم
نه ہمیں آستیں ز اشک تر است   جیب دیدم کنار را دیدم
خانه از لخت دل نمی باشد   مژهٔ اشک بار را دیدم
... چو نقش پا لیکن   لذت انتظار را دیدم
باامید تو شاد می گردد   دل امیدوار را دیدم
دل افسرده و انگشت فغاں   باغ دیدم بہار را دیدم

اے نعرات بت به نشانه سوختم   دشمن جاں مسلماں را سوختم

---

[1] و تک پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ان دونوں اشعار کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہے کہ پڑھا نہیں جاتا۔

من ز دستِ آتشینِ خوئے چو شمع — ز آتشِ تارِ گریباں سوختم

غیر از تپ حرماں دگر آزار ندارم — بیمار چنانم که پرستار ندارم
دی روز چناں کرد دلم خانه خرابی — کامروز بسر سایۂ دیوار ندارم
گفتم صنما جان فغاں را تو ربودی — گفتا که دروغ است باو کار ندارم

که می آید فغاں بهر پرستاری ببالینم — گهے با عکس می سازم گهے آئینه می بینم

لب او وا نمی شود چه کنم — غنچه گویا نمی شود چه کنم
به نگاهی نمی خرد دل را — آه سودا نمی شود چه کنم
بر نمی آید آرزوے دلم — یار تنها نمی شود چه کنم

دل داغ دار دارم بفراق یار سوزم — نه چراغم و نه شمعم که بهر مزار سوزم

بروز حشر که من سر بروں ز خاک کنم — برنگ صبح گریباں خویش چاک کنم

من چشم التفاتے از هیچ کس ندارم — غیر از خدا کسے را فریادرس ندارم
دریاب طپیدن دل جانم ز تن بر آید — مرغ شکسته بالم تاب قفس ندارم
حیرت سرائے رنگینی تصویر ساخت ما را — خاموش می نشینم گویا نفس ندارم

بسکه لطف از نظاره یافته ام — زندگی دوباره یافته ام

من بداماں تو فغاں اگر　　جگر پارہ پارہ یافتہ ام

بگرد کوئے تو من بار بار می گردم　　تو رہ نمی دہی و بیقرار می گردم

حرفیست کہ از لعل لبش کام گرفتم　　گے بوسہ طلب کردم و گے نام گرفتم
باخاک نہ کار است کسے را نہ غبار است　　پامال جہاں گشتم و آرام گرفتم
آں چشم پُر از فتنہ و آں زلف بلا بود　　من دیدہ و دانستہ فغاں دام گرفتم

فصل گل می رود چہ چارہ کنم　　تو گریباں کہ پارہ پارہ کنم
اشک گر فرصتم دہد دانگہ　　چشم بکشایم و نظارہ کنم

نہ من با کعبہ الفت دارم و نہ دیر می خواہم　　خدا آباد دارد ہر دو را من خیر می خواہم

نکردم شکوہ اش باکس نہ خود حرفے شنید از من　　گریباں را چو کردم چاک او دامن کشید از من

غنچہ کے گشت آشنائے سخن!　　در دہان تو نیست جائے سخن

گر در دبستان دہی فکر دواکن!　　از شربت دیدار علاج دل ما کن!

باہزاراں نالہ آہ سرد می آید بہ دل　　بستہ ام لب را کہ جوے درد می آید بہ دل
خاک کوئے یار از بس در دماغم جا گرفت　　اشک مے آید ز چشم گرد مے آید بہ دل

الٰہی بعد مردن در چمن باشد مزار من — کہ تا بلبل بنالد گل بریزد بر غبار من
سرشکم داغ من رویم بہ بیں اے گلعذار من — گل من بوستان من خزانِ من بہار من
رفو گر میکند زخم دلم معلوم می گردد — خجالت می کشد ناصح ز جیب تار تار من
من از خود رفتہ ام گویند مردم یار می آید — چہ می آرد فغاں بر دیدۂ من انتظار من

ما را ز دست غیر میسر نہ شد گہے — دامان او گرفتن و تنہا گریستن!

من گر نالم چوں کنم تو آشنائے دیگراں — قہرت برائے جانِ من مہرت برائے دیگراں

نباشد حاجت شمعے بخاک بیکسان او — چراغ از داغ دل باید برائے کشتگان او

ایں نخواہم کہ تو دادِ منِ ناشاد بدہ — دل محزون مرا رخصت فریاد بدہ
اے فلک پیش تو منظور اگر انصافست — دادۂ آنچہ بہ پرویز بہ فرہاد بدہ
تیغ فولاد اگر در کف قاتل دادی — عاشق خستہ جگر را دل فولاد بدہ
چہ شود گر تو شوی سلسلہ جنبان ندیم — اے فغاں ایں غزل تازہ بأستاد بدہ[1]

آں دل کہ فارغ از غم یار است خستہ بہ — لاحاصل است شیشۂ خالی شکستہ بہ

حاضرم ظالم اگر بہر جفا استادۂ — ساعتے بنشیں سرت گردم چرا استادۂ

---

[1] پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں اس شعر کے سامنے حاشیہ پر ایک شعر ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا۔

قاصدا باچہ دیدہ می آئی — کہ گریباں دریدہ می آئی
دست را کے دراز کردم من — تو کہ دامن کشیدہ می آئی
اے فغاں یافتم ز کوئے نگار — سخت محنت کشیدہ می آئی

کشتی مراو باز پشیماں نمی شوی — اے بندۂ خدا تو مسلماں نمی شوی
می سوزی و فتیلۂ ہر شمع کشتہ — اے رشتہ حیف تار گریباں نمی شوی

عجب چشم بیمار اے یار داری — کنم تا بہ کے آہ بیمار داری
چو دل نذر کردم بفرمود جان کو — باندک چہ آئی تو لبیار داری
فغاں از فغانِ تو معلوم کردم — دلِ خویش جائے گرفتار داری

در وفائے تو دادہ ام جان را — دگر اے بے وفا چہ می خواہی
درکنارت بت تو ہست فغاں — تو دگر از خدا چہ می خواہی

دلم در ہجر او امید داری تا بکے — ایں اشک باری تا کجا ایں آہ و زاری تا بکے

رحم فرماید بحال خستہ گاں شاید کسے — داغہائے سینہ را تا چند بنماید کسے
من بکوشش دامن قاتل بدست آوردہ ام — اے فغاں فریاد رس امروز می باید کسے

ہمیں نہ مردم چشمم نگہ بہ آنگاہ اند — رسید شور سرشکم زماہ تا ماہی

منظور کیست بے تو تمنائے زندگی   من زندہ ام بہ ہجر تو اے وائے زندگی
از بیم ہجر یاد وصالش نمی کنم   بیمار مرگ را چہ تمنائے زندگی
تنہا مرا بخلوت او رہ نمی دہند   ہستند دوستاں ہمہ اعدائے زندگی
ما را فغاں ہوائے خزاں و بہار نیست   بسیار کردہ ایم تماشائے زندگی

اگر میل شرابے کردہ باشی   دل ما را کبابے کردہ باشی
ز تیغش نیم بسمل ماندی اے دل   تو شاید اضطرابے کردہ باشی
بدل داغ غمت را می شمارم   تو ہم در دل حسابے کردہ باشی
فغاں جاں دادی و نگرفت قاتل   تو در گفتن حجابے کردہ باشی

نیائی مانع فریاد من در رنج و بیماری   جفا کاری ترا باشد سزاوار دم آزاری
ہزار افسوس گلہائے جہاں زیں شیوہ معذور   دماغم را معطر کند بوئے وفاداری
نہ در دستم گریباں است و نے داماں وصل او   مرا از مدتے مشغول دارد شغل بیکاری
دلا تا می توانی دستگیر پا شکستاں شو   عصائے خویش سازی ہر کہ را از خاک برداری
صدائے زمزمہ امشب نمی آید فغاں شاید   نصیب مرغ خوش آہنگ شد دام گرفتاری

رباعیات

(۱)

یا شاہ فلک جناب وقت مدد است   نور مہ و آفتاب وقت مدد است
خواہم کہ بزیر قدمت خاک شوم!   یا حضرت بو تراب وقت مدد است

(۲)

یا شاہ نجف حال ضعیفم بنگر   از معصیت خویش خفیفم بنگر

در درگہ تو روے سیہ آوردم　　اے نور خدا روے کثیفم بنگر

(۳)

از بہر عبادت نہ زخود می کوشم　　نے شیخ زمانہ ام نہ خرقہ پوشم
گر پشت بسجدہ خم نگردد چہ کند　　افتاد زبس بار گنہ بر دوشم

(۴)

گویند فغاں نمی خورد بادۂ ناب　　داریم قبول لیکن آن مست شراب
چوں دید کہ ظرف من زعصیاں پرشد　　در ساغر لبریز نمی ریزد آب

(۵)

ساقی ہم ہیچ و جام و مینا ہمہ ہیچ　　اسباب نشاط ہیچ و دنیا ہمہ ہیچ
با ہیچ ہیچ دل ازیں ہا بردار　　گوہر ہمہ اعتبار و دریا ہمہ ہیچ

(۶)

عارف ہر وقت بے حدمی باشد　　زاہد ہر دم بر دو کدمی باشد
خوباں خوب از حرف بے گویند　　بدمی گوید کسے کہ بدمی باشد

(۷)

از شرع مرا بگو چہ را ہے باید　　بے باکی و رندی چہ گناہے باید
از پرتو ذات تاکہ روشن گردد　　البتہ مرا روے سیاہے باید

(۸)

دور از وہم است امتحان درویش　　دور از فہم است داستان درویش
در دل خود فقیر بادل بسپرد　　قہر در ویش شد بجان درویش

(۹)

از بیم عذاب حیف کردی توبہ　　از بادۂ ناب حیف کردی توبہ

گل جوشش زد و شگوفہ بارے آورد   اے خانہ خراب حیف کردی توبہ

(۱۰)

نے ملک و معاش و نے زمیں می ماند   نے یار و رفیق و ہم نشیں می ماند
چیزیکہ بماند او نماند است فغاں   نامیست کہ بر لوح نگیں می ماند

(۱۱)

آن قابل دشنام و عتاب است کجا   آن لائق کشتن و عذاب است کجا
دل را جوئیم بہ پیش جاناں گوئیم   اے خانہ خراب آں خراب است کجا

(۱۲)

از کوئے تو من خجل نخواہم برخاست   تا جاں ندہم ز دل نخواہم برخاست
با خاک درت چو آب شامل شدہ ام   ہرگز ہرگز ز گل نخواہم برخاست

(۱۳)

بیدردمرا ز دل خراشی چہ غم است   از چشم تر و ز اشک باشی چہ غم است
گفتم بسر کوئے تو باشم گفتا   باشی چہ غم است اگر نباشی چہ غم است

۱۴

آہے داریم ماکہ بے تاثیر است   اشکے داریم ماکہ دامنگیر است
جسمے داریم کو سراپا داغ است   داریم دلے کہ قابل تعزیر است

(۱۵)

دل را دادیم و نیم جانے باقی است   از ہستی ما ہمیں نشانے باقی است
آں نیز مسافر است در در رفتن آں   ساعت ہم نیست بلاکہ آنے باقی است

(۱۶)

در عشق مرا حال تباہے باید   آتش بدل و بہ سینہ آہے باید

این ما همه بهر تست لیکن صنما — گاهے گاہے بمن نگاہے باید

(۱۷)

این شوخ یگانه از کجا پیدا شد — آشوب زمانه از کجا پیدا شد

دل رفت و بجاے دل خیالش جا کرد — این صاحب خانه از کجا پیدا شد

(۱۸)

دنیا داران همیشه زر می جویند — فیل و شتر و توسن و خر می جویند

این تنگ دلان چو خاک بیزان از خاک — هر چند بیابند دگر می جویند

(۱۹)

سیمین بدنان که طالب سیم و زرند — کے مائل خون دل و لخت جگرند

بے قدر کنند و با پشیزے نخرند — هر چند که قطره هائے اشکم گهرند

(۲۰)

برهم زن روزگار یاد تو بخیر — آوارهٔ هر دو یار یاد تو بخیر

عمریست که از سینهٔ من گم شده است — آه اے دل بیقرار یاد تو بخیر

(۲۱)

گر گریه کنیم یار می خنداند — ور خنده کنیم یار می گریاند

شمعیم که ما را بشب وصل نگار — خنداند و گریاند و می سوزاند

(۲۲)

سقا پسرے عجب صفاتے دارد — عاشق بر خش شدن نجاتے دارد

ادر پے خضر چوں سکندر نزدیم — چاه ذقنش آب حیاتے دارد

(۲۳)

شیرین ز رواج خسروانی مسرور — فرهاد بشغل تیشه رانی مسرور

لیلیٰ بخیال تاب و طاقت مشغول! مجنوں با ضعف و ناتوانی مسرور

(۲۴)

شاید بہ جہاں نماند غوغائے دگر
کس نیست چو من دل شدہ رسوائے دگر

پہلوئے دلم خانہ خود ساختہ
اے درد نداری تو مگر جائے دگر

(۲۵)

از دست جفائے صنم نا انصاف
داغے بجگر دارم و در سینہ شگاف

نہ رحمے نہ رحمے بحال بیکس ز رحمے
انصاف انصاف اے عزیزاں انصاف

(۲۶)

در گوش کسے رسد فغانم مشکل
گویا شود از شکوہ زبانم مشکل

جائے بنشستہ ام کہ باید برخاست
مانم مشکل دگر نمانم مشکل

(۲۷)

مرگ پسر من نہ ز عالم پرسی
درد دلم از دیدۂ پر نم پرسی

اشکے کہ ز چشم بر لبم می آید
ایں طفل بس است بہر ماتم پرسی[1]

(۲۸)

گویم بچہ وجہ منکہ رستم رستم
الحال دل خویش کہ رستم بستم

شانہ ہم اگر بزلف باشد باشد
من نیز بلاکش تو ہستم ہستم

(۲۹)

تا کے ز فراق تو بخود جبر کنم
از دیدۂ تر خون بدل ابر کنم

یعقوب نیم چند بگریم ظالم
ایوب نیم تا بہ کجا صبر کنم

---

[1] اس شعر کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر دو شعر ہیں جو پڑھے نہیں جاتے

(۳۰)

خون دل خود خورم شراب است اینہیں | لخت دل خود خورم کباب است اینہیں
در ہجر تو شکوہ از معیشت نکنم | در قسمت من دانہ و آب است اینہیں

(۳۱)

باید درویش را بہ صحرا گشتن | بے مونس و بے رفیق تنہا گشتن
ننگ است فغاں با عتقاد از او | بہر دنیا ذلیل دنیا گشتن

(۳۲)

اے یوسف من پا نہ نہی بر سر راہ | از جان گذرد ہر کہ کند بر تو نگاہ
گر روے تو در خواب زلیخا بیند | او یوسف خود را فگند باز بچاہ

(۳۳)

دل باختہ ایم عشق بازی تا کے | خواری بامید سرفرازی تا کے
انصاف انصاف ما غلام تو شدیم | اے بندہ نواز بے نیازی تا کے

(۳۴)

تشریف کہ در خانۂ ما آوردی! | مردم ہمہ حیران کہ چہا آوردی
بنشیں بنشیں کہ چشم عاشق فرش است | خوش آمدہ بلا ... صفا آوردی

رباعیات ہجو[1]

(۳۵)

از گردۂ خود کے پدرم منفعل است | ...لیستش متصل است
از کشتن من دست نخواہد برداشت | آں خانہ خراب حارث سنگدل است

---

[1] پنجاب یونیورسٹی میں رباعیات ہجو کے بجائے راجہ رام نراین بہادر سے پہلے تک کے اشعار نہیں ہیں۔